فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

بغرض استفادہ سادات و مومنین و شیعیان آل طٰہٰ و یٰسین

پنجاب شیعہ مشن لاہور نے

(حصۂ پنجم)

فتاوی حائری

سنہ ۱۳۴۰ھ

مُرتّبہ

خاکسار ذرّہ بیمقدار سیّد محمّد رضی الرضوی متعلم بی اے

ابن حضور حجۃ الاسلام و المسلمین صدر المفسرین قبلہ و کعبہ علامہ

السیّد علی الحائری مجتہد العصر و الزمان دام ظلہ العالی

در مطبع دیوان ہینڈ ٹائپ ورکس لاہور مینیجر دیوان سنگھ پرنٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی نوالہ والصلوٰۃ علی خواص رجالہ والسنۃ اقوالہ
ومفاتیح افعالہ واعلی امثالہ علل الوجود محمد وآلہ
جملہ اہل اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ملک ہند وسندھ
اور پنجاب وکشمیر وغیرہ سے وقتاً فوقتاً جس قدر استفتاء
جناب قبلہ وکعبہ والد ماجد سرکار علامہ
حائری مجتہد العصر کیخدمت میں بغرض طلب فتوے
آتے رہتے ہیں ان استفتاء مع الفتوے کی نقول استفادہ
سادات ومومنین کی غرض سے اسوقت تک چار حصوں
میں طبع اور شایع ہو چکی ہیں اب اسی سلسلہ کا یہ پانچواں
حصہ مومنین کی خدمت میں پیشکش کرتے ہوئے دعائے
خیر کا ملتمس ہوں - انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ بھی حیات مستعار اگر
باقی اور برقرار ہے تو یہ سلسلہ اسیطرح جاری رہیگا اسوقت اس
سلسلہ کا حصہ پنجم - حصہ ششم - حصہ ہفتم - حصہ ہشتم طبع اور شایع
ہو چکا ہے ہر حصہ ۴؍ قیمت پر خاکسار سے مل سکتا ہی محصول بذمہ خریدار

وھو الموفق والمعین فی کل حین - وعلیہ التکلان
وھو یتولی الصالحین

خاکسار سید محمد رضی الرضوی متعلم بی - اے کوچہ شیعان موچی دروازہ - لاہور

(باسمہٖ سبحانہٗ)

{من ههنا اشرع فی المقصود بعون اللہ المعبود}

سوال قرآن مجید اور سنت جماعت کی حدیثوں میں قنوت نماز کا ذکر آیا ہے یا نہیں اگر ذکر آیا ہو تو براہ کرم وہ آیت اور حدیثیں بحوالہ کتاب تحریر فرمائی جائیں۔

جواب نماز میں قنوت کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے قولہ تعالیٰ حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین قانتین سے مراد قنوت کرنے والے ہیں اور یہاں نماز میں قنوت کئے جانے کا حکم دیا گیا ہے رہا اہل سنت جماعت کی حدیثیں وہ بھی بکثرت وارد ہوئی ہیں یہاں صرف چند حدیثیں بیان کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ صحیح مسلم کے صفحہ ۲۳۷ میں ہے جو مع شرح نووی کے طبع ہوا ہے عن البراء بن العازب ان رسول اللہ صلعم کان یقنت فی الصبح والمغرب رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح یعنی براء بن عازب سے روایت ہے کہ تحقیق جناب پیغمبر صلعم نماز صبح اور نماز مغرب میں قنوت کیا کرتے تھے ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے عن انس انہ سئل هل قنت النبی صلعم فی صلوٰۃ الصبح فقال نعم فقیل له قبل الرکوع او بعد الرکوع قال بعد الرکوع رواہ ابوداؤد یعنی ابوداؤد مطبوعہ دہلی ۲۰۷ میں ہے کہ انس سے مروی ہے کہ انسے پوچھا گیا پیغمبر صلعم نے نماز صبح میں قنوت پڑھی ہے یا نہیں کہا ہاں قنوت پڑھی ہے پیغمبر نے نماز صبح میں پس کہا گیا رکوع سے پہلے یا بعد کہا بعد رکوع کے پس صحیح اہلسنت روایات سے قنوت کرنا نماز میں پیغمبر خدا صلعم کا ثابت ہے، واللہ العالم۔ حائری

سوال تقدیر اور تدبیر کیا چیز ہے اسکی حقیقت اور کیفیت مفصل ارشاد فرمائیں **الجواب** تقدیر کے معنے اندازہ اور تدبیر کے معنے اسباب کا مہیا کرنا جس سے مسبب ظاہر ہو حدیث میں ہے ان اللہ تعالیٰ قدر المقادیر ودبر التدابیر قبل ان یخلق آدم بالفی عام ہمارے علماء نے تقدیر و تدبیر کے متعلق لکھا ہے کہ تقدیر وہ اندازہ ہے جو خدا نے اپنی مصلحت کے موافق باقتضاء حال بندگان مقرر کیا ہو اس اندازہ کے تعین پر کوئی حق اعتراض کرنیکا بندہ کو حاصل نہیں کیونکہ وہ خدا کی مصلحتوں کو سمجھ نہیں سکتا یہ اندازہ کبھی تو خدا کی طرف سے بلا علم مسبب کے ظاہر ہو جاتا ہے جسکو قضاء (حکم) کہتے ہیں اور کبھی اسباب ظاہری کے مہیا کر دینے سے ہوتا ہے جسکو قدر (قسمت) کہتے ہیں لیکن تدبیر کا تعلق انسان سے ہوتا ہے خدا تدبیر کا

محتاج نہیں ہے۔ بلکہ انسان کو اعضاء جوارح اور مختلف قسم کی قوتیں دیگئی ہیں کہ وہ انکو کام
میں لائے اور عیش اُٹھائے۔ پس ان تدبیرات میں کبھی تو اسباب کے پورا کرنے سے کامیابی
ہوتی ہے اور ناقص رہنے سے ناکامی۔ اور کبھی کمزور اسباب میں توفیق ایزدی سے کامیابی
ہوتی ہے اور طاقتور اسباب میں مخالفت تقدیر الٰہی سے ناکامی رہتی پس جو امور دنیاوی
پیش آتے ہیں انمیں خدا تعالےٰ کا عملاً شریک حال ہونا لازم نہیں ہے۔ کیونکہ بندے کو اسکے افعال کا
اختیار اور اقتدار دیدیا گیا ہے۔ اور امور ممنوعہ میں تو حتماً خدا کی شرکت عقلاً محال ہے اور
نہ تمام امور بندگان میں عدم شرکت خدا کی لازمی ہے کیونکہ وہ منعم و مالک ہے جب اسکی معصیت
نیک ہوں میں ہوتی ہے تو ضرور شریک حال ہوتا ہے۔ اسی کو **توفیق ایزدی** کہتے ہیں بس انہیں
دو قسم کے حالات سے مراد جبر و اختیار ہے جس کے درمیان میں اعتدال کی صورت پیدا کی گئی
ہے تاکہ بندہ اپنے کو ایک حیثیت سے مختار سمجھے اور منفعت حاصل کرنیکی تدابیر کو کام میں لائے
اور ایک حیثیت سے اپنے کو مقابلہ میں عاجز و قاصر جانے اور مالک حقیقی کو بھول نہ جائے پس
فے الواقع عدل حقیقی یہی ہے۔ اور اسی کو اصطلاح شریعت میں عدل کہتے ہیں وہو العالم۔ حاررکی

سوال مسئلہ امامت جس طرح شیعوں کے نزدیک اصول دین سے ہے۔ کیوں سنت جماعت
بھی اصول دین میں نہیں مانا۔ اگر انکے علما اصول دین میں مانتے ہوں تو براہ بندہ نوازی
ان کے نام اور قول سے مطلع فرمایا جاوے۔ **الجواب** دراصل منصب خلافت و امامت
بھی منصب نبوت ہے کیونکہ جس غرض کے پورا کرنے کے لئے نبی آتا ہے اسی غرض کے پورا کرنے
کے لئے امام اور خلیفہ برحق بھی منصوب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت و امامت کو بھی
نبوت کیطرح اصول دین میں قرار دیا گیا ہے جمہور اہل سنت نے بھی اسی بناء پر مسئلہ خلافت و
امامت کو اصول دین میں ہی تسلیم کیا ہے **ازالۃ الخفاء** میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں "لاجرم
نور توفیق الٰہی در دل این بندہ علمے را مشروح و مبسوط گردانید تاکہ بعلم الیقین دانستہ
شد کہ اثبات این خلافت بزرگواران اصلے است از اصول دین تا وقتیکہ این اصل
محکم نگیرد ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود و ہر کہ در گسلستن این اصل سعی میکند
درحقیقت ہدم جمیع فنون دینی میخواہد **کتاب الملل والنحل** مطبوعہ مطبع بولاق
مصر کے صفحہ ۱۵ میں علامہ شہرستانی فرماتے ہیں "ومن المعلوم ان الدین اذا کان
منقسماً الی معرفۃ وطاعۃ والمعرفۃ اصل والطاعۃ فرع فمن تکلم فی المعرفۃ
والتوحید کان اصولیا ومن تکلم فی الطاعۃ والشریعۃ کان فروعیا
فالاصول ھو موضوع علم الکلام والفروع ھو موضوع علم الفقہ" یعنی

معلوم ہے کہ دین جبکہ معرفت وطاعت مین منقسم ہو تو معرفت اصل ہے اور طاعت فرع پس
جو شخص کہ معرفت اور توحید مین کلام کرتا ہو وہ اصولی ہے اور جو شخص کہ طاعت اور شریعت
میں کلام کرے وہ فروعی ہے - اور اصول علم کلام کا موضوع ہے اور فروع علم فقہ کا
موضوع پس توحید - عدل - نبوت - امامت اور معاد قطعاً علم کلام کا موضوع ہے تو ثابت
ہوا کہ یہ پانچوں اصول دین میں داخل ہیں نہ فروع دین میں - امام جلال الدین **سیوطی**
رسالہ صدرانافہ میں لکھتے ہیں الخلافۃ رکن عظیم من ارکان الاسلام خبر بھا
الشرع و وردت بھا الاخبار والاحادیث یعنی خلافت رکن عظیم ہے ارکان
اسلام سے جس کی خبر شریعت نے دی ہے اور اخبار واحادیث اس کی تائید میں وارد ہوئی
اسی طرح **منہاج** میں قاضی صاحب تفسیر بیضاوی نے لکھا ہے کہ مسئلہ امامت اعظم
مسائل دین سے ہے - کتاب **درجات امامت** کی فصل میں مولوی اسماعیل شہید نے
لکھا ہے کہ امام سوا رتبہ نبوت کے باقی جملہ کمالات میں ہمتائے نبی ہوتا ہے - سوا
خدا کے اور کوئی شخص نبی اور امام میں امتیاز نہیں کر سکتا - امام **فخر الدین رازی**
تفسیر آیت استخلاف میں صاف لکھتے ہیں کہ یہ آیت اکثر مسائل اصول دین پر مشتمل ہے
اور منجملہ ان مسائل اصولی کے ایک امامت ہے - پس ان جمہور ائمہ اور علماء اہل سنت کے اعتراف
سے امامت وخلافت کا مسائل اصول دین سے ہونا ثابت ہے - اب اگر عوام سنی شیعوں کے
مقابلہ میں ایسا نہ مانیں تو اسکا کیا علاج ہو سکتا ہے - فلا جناح علیکم - دنہم العالم - حامی
سوال تقیہ مذہب شیعہ میں نفاق کی تعلیم دیتا ہے جو کسی مذہب اور عقل کے نزدیک مستحسن اور
جائز نہیں ہو سکتا ہے - قرآن مجید میں تو منافقوں کی سزا درک اسفل نار قرار پا چکی ہے ان دونوں
میں کچھ فرق ہے تو بیان فرما کر مطمئن کیا جائے - **الجواب** دراصل مسئلہ تقیہ کی حقیقت
بہت واضح اور عیاں ہے محتاج بیان نہین خواہ مخواہ اسکو نفاق سے تعبیر کرنا قرآن اور حدیث
کی مخالفت کرنا ہے **بحرین** میں طریحی نے لکھا ہے المنافق ھو الذی یظھر الایمان و
یتصنع بالاسلام یعنے منافق وہ ہے کہ ایمان کو زبان سے ظاہر کرے اور دل میں وہ مومن
نہ ہو بلکہ ایمان واسلام میں وہ تصنع کرتا ہو - لیکن تقیہ سے مراد یہ ہے کہ بمجبوری زبان سے اظہار کفر
کیا جائے مگر لیکن اسکا دل ایمان سے بالکل مطمئن ہو الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان
خود قرآن مجید تعلیم دے رہا ہے یعنے جو شخص کہ کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور دل اس کا مطمئن ہو
ایمان سے فلا جناح علیہ پس ثابت ہوا کہ دراصل تقیہ حفاظت خود اختیاری کو کہتے ہیں جس میں
حفاظت جان حفظ مال حفظ آبرو اور حفظ ایمان یا دوسروں کے شر سے بلا کا ٹالنا وغیرہ سب
داخل ہیں - یہ مسئلہ حفاظت خود اختیاری ایسا نہیں ہے جسکو کوئی مہذب مذہب یا دنیا میں کوئی

مسئلہ تقیہ اور نفاق میں فرق اور امتیاز

ہندو یا فیلسوف - فاضل - عقلمند اور عالم خواہ وہ کسی مذہب کا ہو انکار کر سکے - قرآن اور حدیث اس پر شاہد اور ناطق ہیں اور عقل بھی اس کی مؤید و مجوز ہے - کیونکہ فریضہ مخالف عقل نہیں ہے - قرآن کی تعلیم ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کہ تم اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو - یہ صاف اور صریح تقیہ کرنے کا حکم نہیں تو کیا ہے دوسری جگہ فرمایا ہے لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیٔ الا ان تتقوا منہم تقیۃ دیکھو قراء سبعہ میں سے یعقوب نے تقٰۃ کو تقیۃ پڑھا ہے اور یہ بھی ایک قرائت قرآن کی ہے پس معنے یہ ہوئے - کہ چاہئے مومنین مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں جو کوئی ایسا کریگا وہ خدا کیطرف سے کسی چیز میں نہ (شمار) ہوگا مگر یہ (یعنے کافروں کو دوست بنانا) اسوقت جائز ہے جبکہ تم ان سے ڈرتے ہو تو تقیہ کرو تفسیر بیضاوی میں قاضی نے لکھا ہے منع من موالاتہم ظاھرا و باطنا فی الاوقات کلھا الا وقت المخافۃ فان اظہار الموالاۃ حم جائز یعنے خدا نے کفار کے ساتھ ظاہری اور باطنی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے مگر خوف کے وقت نہیں پس اظہار دوستی کفار سے ایسے وقت میں جائز ہے تفسیر کبیر میں فخر رازی نے حسن بصری سے نقل کیا ہے قال التقیۃ جائز للمومنین الی یوم القیامۃ وھذا القول اولی لان دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الامکان یعنے مومنین کو قیامت تک تقیہ کرنا جائز ہے اور یہ جواز تقیہ بہتر ہے کیونکہ اپنی جان سے ضرر کو ہٹانا جہاں تک ممکن ہو واجب ہے - پھر دیکھئے مومن آل فرعون کی مدح کرتے ہوئے خدا تعالٰے ارشاد کرتا ہے قال رجل مومن من ال فرعون یکتم ایمانہ یعنے آل فرعون میں سے ایک مرد مومن نے کہا (حضرت موسٰے سے) جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا - یہ وہی مومن آل فرعون ہے جو مدتوں اپنے آپ کو فرعون کا پابند ہونا ظاہر کرتا رہا - لیکن قرآن اسکے مومن ہونے کی شہادت دے رہا ہے اسلیئے کہ وہ ایمان کو چھپاتا رہا - بتاؤ یہ تقیہ نہیں تو کیا ہے - پس اگر تقیہ ناجائز ہوتا تو مومن آل فرعون کی مدح تقیہ کرنے کی وجہ سے قرآن میں نہ کیجاتی - قرآن سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابراہیم خلیل نے کئی مرتبہ تقیہ کیا فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم کہ خلیل اللہ نے ستاروں میں نظر کی اور کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ وہ اسوقت بیمار نہ تھے - نبی معصوم چونکہ جھوٹ نہیں بول سکتا پس ظہور حضرت کا ایسا فرمانا حفظ جان کی غرض سے تقیہ سمجھا جائیگا - اسیطرح خلیل نے جب بتوں کو توڑ ڈالا تو مشرکین نے پوچھا کہ تم نے

بالمال بریسا ایسی صورت میں لسنہ زبانی مدارات کرتا ہے یعنے زبان سے انکی عداوت کو ظاہر نہ کرے گو محبت آمیز کلام انسے کرتا ہے بشرطیکہ دل میں انکی مخالفت اور عداوت رکھتا ہو کیوں جناب

ہمارے خداکو توڑ ڈالا۔ خلیل نے جواب میں کہا۔ بل فعلہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون ۶۳ ۵ یعنے بلکہ انمیں کا جو بڑا بت ہے اُسنے ایسا کیا پس انسے پوچھ لو اگر یہ بات کرسکتے ہوں۔ اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ تقیہ کرنا فعل انبیاء ہے اور خدا کے نزدیک ممنوع نہیں ہے۔ جہاں جان۔ مال یا آبرو کا خوف ہو وہاں کلمہ کفر کہنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ دل ایمان سے مطمئن ہو۔ دیکھو **فخرالدین رازی تفسیر کبیر** میں لکھتا ہے ان مسیلمۃ الکذاب اخذ رجلین فقال لاحدھما ما تقول فی محمد فقال رسول اللہ صلعم فقال ما تقول فیّ قال انت ایضًا فخلاہ فقال للاٰخر ما تقول فی محمد قال رسول اللہ قال ما تقول فیّ قال انا اصم فاعاد جوابہ فقتلہ فبلغ ذلک رسول اللہ صلعم فقال اما الاول فقد اخذ برخصۃ اللہ واما الثانی فقد صدع بالحق فھنیئًا لہ۔ یعنے مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کرلیا ایک سے کہا بتاؤ تو محمد صلعم کو کیا سمجھتا ہے اسنے کہا پیغمبر سمجھتا ہوں مسیلمہ نے کہا مجھے کیا سمجھتے ہو کہا پیغمبر پس اسکو تو چھوڑ دیا۔ دوسرے شخص سے پوچھا تو محمد صلعم کو کیا سمجھتا ہے۔ کہا رسول اللہ سمجھتا ہوں مسیلمہ نے کہا مجھے کیا سمجھتے ہو کہا کہ میں گونگا ہوں پس اسکو قتل کرڈالا۔ جب پیغمبر صلعم کو یہ خبر ہوئی تو فرمایا پہلے نے جو کچھ کہا خدا کے اذن اور اجازت سے کہا۔ اور دوسرا حق کو پہنچا پس مبارک ہو اُسکو **تفسیر بیضاوی** میں قاضی نے بذیل تفسیر آیت وفعلت فعلتک التی فعلت لکھا ہے کان موسیٰ یداریھم بالتقیۃ یعنے موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں میں تقیہ کے ساتھ بسر کرتا تھا۔ **بخاری** مطبوعہ بمبئی ۱۲۰۵ھ مجلد ۲ کتاب الاکراہ میں ہے قال الحسن التقیۃ باقیۃ الی یوم القیمۃ یعنے حسن بصری نے کہا کہ تقیہ روز قیامت تک باقی ہے فردوس الاخبار میں **دیلمی** نے لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا لا دین لمن لا تقیۃ لہ یعنے اس شخص کا کوئی دین نہیں ہے جو بضرورت تقیہ نہ کرے۔ **نیز دیلمی** نے جناب ولایت مآب علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا التقیۃ دینی و دین اٰبائی یعنے تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے آباء کا دین ہے **بخاری** نے باب المداراۃ میں ابو درداء سے نقل کیا ہے جو کہ بخاری کے اُستاد تھے انا لنکشر فی وجوہ اقوام لتلعنھم یعنی ہم لوگ بعض گروہ کے سامنے بہ تملق و خوشامد باتیں کہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے دل انہیں لعنت کرتے ہیں۔ یہ تقیہ نہیں تو کیا ہے قسطلانی شرح

بخاری کی عبارت بھی ملاحظہ کرلیں وہ لکھتے ہیں فالکذب فی بعض المقامات جائز بل واجب و قد اکتفی الفقہا فیما لو طلب الظالم الودیعۃ لیاخذہ غصبا وجب علی المودع ان یکذب بمثل انہ یعلم انہ لا یعلم موضعہا بل یحلف علی ذلک یعنے بعض مقامات میں جھوٹ بولنا جائز بلکہ واجب ہے - اور فقہا نے اسیقدر پر اکتفا کی ہے کہ اگر کوئی ظالم بغرض غصب کرنے کسی سے امانت کو مانگے - تو امانت دار کو چاہئے کہ اس طرح سے جھوٹ بولے جس سے ظالم کو معلوم ہو جائے کہ شخص اس امانت کو نہیں جانتا کہ کہاں ہے بلکہ اسپر قسم بھی کھالے **فتاوی** قاضیخان کی کتاب الحظر و الاباحۃ میں خوف کیوقت خلاف حق بات کہنے تک - تو بتصریح جائز رکھا ہے - اب ایک منصف طالب حق اگر ان آیاتِ مجیدہ اور احادیث و اقوال علماء اہل سنت میں غائر نظر ڈالے تو اسکو ذرہ برابر بھی شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ مسئلہ تقیہ اہم مسائل اسلامیہ میں سے ہے - یعنے تقیہ کرنا عقل و قرآن و حدیث سے جائز ہی نہیں بلکہ بمحل واجب عینی ہے اور بلا ضرورت تقیہ حرام ہے - تفسیر **لوامع التنزیل** جلد نمبر ۲ میں تفصیل کے ساتھ اس بحث کو میں نے لکھدیا ہے - وھو العالم - حائری -

سوال جب خدا ہر جگہ موجود ہے تو پھر خاص کعبہ کی طرف سجدہ کیوں کیا جائے - اس بناء پر بت پرست الزاماً ہم کو بھی بت پرست کہتے ہیں کہ جب مسلمان خود بت پرستی کرتے ہیں تو ہمیں بت پرستی سے روکنے کا انکو کیا حق حاصل ہو سکتا ہے بینوا و توجروا

الجواب اسمیں مختلف وجوہ اور دلائل ہیں - **اول** جبکہ خدا تعالےٰ نے بعد پیدائش آب و عرش کے سب سے پہلے ذوی الاجسام میں سے زمین کعبہ محترمہ کو پیدا کیا تو صانع حقیقی کی یہ پہلی صنعت ہونے کی وجہ سے اسکو ممتاز و محترم اور اشرف و اعظم قرار دیکر اہل جہان کا قبلہ مقرر فرمایا - تحت الثرےٰ سے ثریا تک فضاء کعبہ اور اس کے چاروں اطراف کو قبلہ اہل دین معین کیا - جیسا کہ سلاطین دنیا بھی اپنے بعض اماکن اور مساکن کو معزز اور معظم اور مرجع مقرر کر دیتے ہیں اسواسطے اس اول الصنائع مقام عظیم اور محبہ شریف کا نام بیت الحرام اور بلد الامین مکہ اور بکہ رکھا - اور ہمیشہ کے لئے اسکو قبلۃ الاعمال و العبادات والدعوات زیارتگاہ محترم مقرر فرمایا - اور یہ کہ اپنی عبادات کو اسی کے مواجہ اور محاذات میں ادا کرنیکا حکم دیا - اور یہ کہ مدت العمر میں ایک مرتبہ بوقت تمکن و استطاعت ہر شخص کو زیارت و حج بیت اللہ کے لئے مامور فرمایا - **دوم** ہر صبح و شام و عشاء و عصر و ظہر کیوقت چار صفیں کعبہ محترمہ کے چاروں طرف میں نماز اور سجدہ کیواسطے قائم رہتی ہیں اور کعبہ کے چاروں طرف طواف کرتے ہیں - اگر حجر الاسود ہی انکا معبود اور مسجود ہوتا تو عابدوں کی عبادت

[illegible]بہ کی چاروں طرف میں صحیح نہ ہوتی۔ سوم بیت الحرام کے اندر عابد جس طرف چاہے
[illegible]سجدہ کر سکتا ہے اور شہر مکہ کے رہنے والے اپنے مکانوں کے چاروں طرف میں سے جس طرف
کو چاہیں نماز اور سجدہ کر سکتے ہیں۔ چہارم دنیا کے چاروں طرف میں ہر طرف کا رہنے والا
اپنے محاذی جہت اور طرف کو سجدہ کر سکتا ہے۔ اگر مخصوص حجر الاسود اور اسکی دیواریں ہی لوگوں
کا مقصود اور مسجود ہوتیں تو انکی عبادت پھر کسی طرح نہ ہو سکتی۔ پنجم۔ جو لوگ کہ بلند
پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سجدہ اور عبادت کرتے ہیں اسیطرح جو لوگ غاروں اور سرد خانوں
کے اندر سجدہ اور عبادت کیا کرتے ہیں انکا سجدہ بھی محاذات فضاء کعبہ میں ہوا کرتا ہے۔
[نہ] کعبہ اور حجر الاسود کو۔ پس اگر اسلام میں حجر الاسود کا پوجنا مقصود ہوتا تو مذکورہ مقامات کے
رہنے والوں کا سجدہ صحیح نہ ہوتا۔ ششم حکما اور علما و اعلام کے نزدیک زمین کروی الشکل
ہے پس زمین کے چاروں طرف میں لوگوں کا قبلہ فضاء کعبہ ہے جو جہات اربعہ میں سے جہت محاذی
میں ہو سکتا ہے۔ ہفتم جبکہ ملک امریکہ اعتباراً ہمارے تحت الاقدام میں واقع ہے تو انکا
سجدہ بھی وہاں بمقام حجر الاسود اور دیوار کعبہ کے نہیں واقع ہوتا۔ اسلئے انکا قبلہ بھی باعتبار
محاذات فوق میں واقع ہوگا۔ ہشتم فرضاً اگر کعبہ کی بنیاد مع دیواروں کے نیچے تک
کھود دی جائے اور معاذ اللہ اسکے آثار تک باقی نہ رہیں تو قبلہ اسلام اس مقام سے متغیر
نہیں ہو سکیگا اس سے بھی ثابت ہوا کہ حجر الاسود اور کعبہ کی دیواریں قبلہ اسلام نہیں ہیں
ورنہ اسکے کھد جانے سے قبلہ بھی تبدیل کیا جا سکتا۔ نہم۔ اگر حجر الاسود فرضاً کسی دوسرے
[illegible] میں نصب کر دیا جاوے تو وہ دوسرا مقام قبلہ قرار نہیں پا سکتا نہ اسطرف سجدہ کرنا
جائز ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض قرامطہ نے حجر الاسود کو کوفہ میں نصب کر دیا تھا۔ مگر سجدہ
اس طرف تبدیل نہیں کیا گیا۔ دہم بالفرض اگر سطح کعبہ پر نماز پڑھی جائے تو وہ بمحاذات
فضاء کعبہ ادا کیجائیگی اسمیں جہات [illegible] سے کسی طرف بھی حجر الاسود واقع
نہیں ہو سکتا۔ ان دلائل و براہین سے صاف ثابت ہے کہ اسلام میں حجر الاسود یا کعبہ پرستی
ہرگز نہیں کیجاتی۔ بلکہ اس مقام شریف اور موضع رفیع کے محاذات میں خدا یتعالٰے کی
عبادت کیجاتی ہے قرآن مجید کی آیت فول وجهك شطر المسجد الحرام سے مطلب
بالکل واضح اور عیاں ہے کہ جملہ مکلفین اپنے ظاہر اور باطن بدن کو بقصد توجہ مسجد الحرام
کی طرف مصروف کریں کیونکہ لغت میں شطر کے معنے قصد اور جہت کے آئے ہیں دوسری آیت

میں اینما تولّوا فثمّ وجہ اللہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرف تم پھروگے اُسیطرف خدا تمہارے مواجہ میں ہوگا۔ **اصل بات یہ ہے** کہ توجہ کیواسطے جہت کی ضرورت ہے۔ توجہ بلا جہت محال ہے اگرچہ خدا یتعالے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ وہ کونسی سمت ہے جدھر خدا نہیں مگر پھر بھی متوجہ ہونے کے لئے کوئی نہ کوئی جہت بالضرور مقرر کیجاتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی کام کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کا مُنہ کسی ایک سمت کو ضرور ہوتا ہے۔ عبادت سب سے اعلےٰ اور اصل کام ہے۔ عابد کا رُخ کسی ایک طرف ضرور ہوگا۔ آریہ۔ عیسائی۔ موسائی جب اپنے اپنے طریق کے موافق عبادت میں مصروف ہوتے ہیں۔ تو ان کا مُنہ بھی کسی سمت کو ضرور ہوتا ہے۔ کیا اسوقت انکا خدا کسی خاص سمت میں ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ وہ متوجہ ہونے کے واسطے خود ایک جہت مقرر کرلیتے ہیں اور مسلمان خدا کے حکم کے مطابق نماز کے وقت کعبہ کی سمت متوجہ ہوتے ہیں۔ مسجد الحرام یا بیت اللہ دُنیا میں پہلا معبد ہے جو خاص معبود حقیقی کی عبادت کے واسطے بنایا گیا ہے۔ نماز کے وقت روبکعبہ ہونے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ گویا ہم اسی معبد قدیم میں اپنے معبود حقیقی کی عبادت کر رہے ہیں جو اسی مقصد کیواسطے حکم خدا کے مطابق تعمیر کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کعبہ ثریٰ سے ثریا تک مختلف المقامات کے اشخاص کے واسطے قبلہ محاذاتی مقرر ہے مفصل بحث **تفسیر لوامع التنزیل** میں بیان کردی گئی ہے زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے وھو العالم۔ **حائری**

سوال میں حضور کو ایک نہایت ہی مختصر استفتاء کے جواب دہی کی زحمت دینا چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ دُنیا میں طوفان بدتمیزی جو کہ اختلاف مذاہب کی صورت میں نہایت ہیبت ناک منظر میں نمایاں ہے اس کے کیا اسباب ہیں **الجواب** استفتا تو مختصر نہیں ہے گو کہ مختصر الفاظ میں پیش کیا گیا ہے جس پر ایک مبسوط کتاب لکھے جانے کی ضرورت ہے۔ مگر میں بھی مختصر لفظوں میں ہی جواب دونگا غور سے ملاحظہ فرمائیے یہ امر ظاہر اور عیاں ہے کہ دنیا میں جو مذہب اس وقت تک قائم ہوچکے ہیں اُن کے قوانین میں باہم نہایت درجہ اختلاف ہے جس کے سبب سے ایک فرقہ دوسرے کو باطل سمجھ کر اس کے استیصال پر آمادہ ہے۔ اور یہ اختلاف ایک عظیم سبب بنی نوع انسان کے ضرر کا ہے کہ آپس میں خون ریزیاں ہوتی ہیں۔ جان و مال اور آبرو کو صدمہ پہنچتا ہے

کعبہ کی حقیقت اور وجہ

اجتماع نوعی اور تمدنی میں خلل واقع ہوتا ہے انسانی موانست طبعی منقطع ہو جاتی ہے۔ جس کا لازمہ یہ نتیجہ ہے کہ جو چیز اصولاً باعث اتحاد بنی آدم تھی (یعنے مذہب و شرائع دین) وہی عملاً موجب فساد احوال ہو رہی ہے - اور باوجود ان اختلافات کے ہر فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اسی کا مذہب مقرر کردۂ خدا - اور اسی مذہب کے قوانین شریعت آسمانی ہیں - پس اگر یہ دعوے ہر ملت کا بجائے خود صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اجتماع نقیضین کو ایک ہی امر میں تجویز کرنا ہوگا جو کہ عقلاً محال ہے۔ یعنے مذہب کے بارے میں اختلافات کو بھی تسلیم کیا اور ان اختلافات کے مقاصد کو بھی تسلیم کر کے پھر سب کو حق سمجھنا دونوں نقیضوں کو ایک جا جمع کرنا ہے یا اگر سب کے دعوے غلط جان کر یہ کہا جائے کہ مذاہب باطل ہیں اور ان میں کوئی بھی مقرر کردۂ الٰہی نہیں ہے تو ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے اور یہ بھی محال ہے - یعنے خدا کیطرف سے تعین مذہب کو عقلاً واجب قرار دے لیا اور ضد اسکی یعنے عدم تعین باطل قرار پا چکی اور پھر عدم تعین کو صحیح اور اسکی ضد یعنے تعین مذہب کو باطل قرار دینا اسی سے مراد ارتفاع نقیضین ہے . . . . اور اجتماع وارتفاع نقیضین کا محال عقلی ہونا بالبداہت ثابت ہے - بالجملہ عقل سلیم کا قطعی حکم یہی ہوگا کہ ایسی مختلف حالتوں میں مذہب حق ایک ہی ہونا چاہیئے - اور باقی مذہبوں کی بنیاد خود رائی اور قیاس پر مبنی ہوگی یا جہالت و نافہمی پر یا رسوم مقرر کردۂ اسلاف پر - یا اصل شریعت سے انحراف و تمرد پر ورنہ بجز ان اسباب کے اور کوئی دوسری وجہ ان اختلافات عظیم کی ثابت نہیں ہو سکتی - **یہ امر مسلم ہے** کہ ہر مذہب کے قوانین میں کچھ اصول ہوتے ہیں اور کچھ فروع - پس مختلف زمانوں میں اگر جو مختلف شرایع خدا کی طرف سے معین ہوئے اور مختلف آسمانی کتابیں نازل ہوئیں انکے اصول ایک ہی ہونے چاہئیں - اگر انمیں فرق ہو تو نظام مذہب ہمیشہ درہم برہم رہیگا اور خدا کی طرف جہل کی نسبت عاید ہوگی - کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اصول قوانین کی بناء مصالح عقلیہ ہوتے ہیں جنکو انکا واضع بمناسبت طبایع و احوال موضوع لہ مرتب و معین کرتا ہے - اور چونکہ عقل کی راہ ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے لہذا ان اصول میں بھی فرق نہیں پڑتا - اسیطرح قوانین شریعت کے اصول جو کہ مبدء حقیقی و علم بسیط و محض سے نکلے ہیں وہ ہمیشہ ایک ہی ہونگے البتہ فروع میں حسب اقتضاء حال و مصلحت وقت اختلاف ہو سکتا ہے بلکہ اختلاف ضرور ہوتا ہے

تمثیل کے طور پر دیکھو کہ طلوع آفتاب کے لیئے خاص ایک سمت قانون قدرت نے معین کر دی جس کو مشرق کہتے ہیں یہ ایک اصل قرار پائی - لیکن خاص مصالح و ضروریات کے لحاظ سے ہر روز افق میں اختلاف ہوتا ہے - جس سے اوقات شب و روز گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں - موسم بدلتا ہے اور اختلافات سے انواع و اقسام کے فوائد مخلوقات کو پہنچتے ہیں پس یہ فروع اسی اصل کے ہوئے - اسیطرح جو مذاہب مقرر کردۂ خدا ہونگے لازمًا ان کے عقائد ایک ہونگے - اور اگر انمیں اختلاف معلوم ہو تو پھر انکا موازنہ عقل سے کیا جائیگا اور اس ذریعہ سے جانچ کیجائیگی کہ کون اصول ان میں سے عقل سلیم کے موافق ہیں اور کون مخالف - باقی رہا فروع کا باہمی اختلاف سو یہ ظاہر ہے کہ انکی بنیاد دراصل انکی مناسبت وقت و ضرورت زمانہ پر مبنی ہے پس جب وقت نکل گیا اور ضرورتیں باقی نرہیں تو وہ احکام فرعیہ منسوخ ہوجاتے ہیں اور جو جدید قوانین باقتضائے وقت نافذ ہوتے ہیں وہی واجب التعمیل ہوتے ہیں - لیکن دنیا میں جہالت و تعصب یا انحراف و تمرد کیوجہ سے جو اختلاف آراء پیدا ہوگیا ہے - اسنے یا قوانین منسوخہ کو ترک نکرنے دیا - یا یہ کہ ابتدا ہی میں شریعت سے انحراف کر کے جداگانہ مسلک قرار دے لیا - پھر خودرائی سے مزید ایجاد و اضافہ اصلی شریعت کے اصول و فروع میں یا مصنوعی شریعت کے قواعد میں کرتے کرتے شاخ در شاخ جدید مذاہب قائم ہوتے رہے یا بعضوں نے رسوم و آداب معاشرت کو مذہب کے قوانین قرار دے لیا - اور جو ان رسوم و آداب کے مصلح ہوئے ان کا مسلک جدید قرار پاکر مذہب کی صورت میں آگیا - ورنہ حقیقت میں اصولًا خدا کا مقرر کردہ مذہب ایک ہی ہے جسمیں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں ہے وہوالعالم - حائری

سوال بزعم شیعہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ ثلثہ نے حبّ دنیا کی وجہ سے جناب امیر علیہ السلام کو خلیفہ بعد از پیغمبر صلعم نہونے دینا تھا تو جناب سرور عالم صلعم نے کیوں نہ اس امر کو ظاہر فرما دیا اور بالفاظ واضح کیوں نہ جناب امیر علیہ السلام کو خلیفہ بنایا کہ یہ جھگڑا پیدا ہی نہ ہونے پاتا صرف کتب اہل سنت سے جواب ہونا چاہیئے -

الجواب سائل کی بے خبری اور کم اطلاعی کا نتیجہ ہے کہ وہ خیال کیئے بیٹھے ہیں کہ حضور ختمی رسالت فداہ روحی نے ایسے اہم امر خلافت کو اپنے بعد کے لیئے صاف لفظوں میں نہیں ارشاد فرمایا - ذرا **تحفہ شاہ عبد العزیز** صاحب کو دیکھئے جسمیں بحوالہ **مشکوۃ** لکھتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلعم نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر ابو بکر کو خلیفہ

اختلاف مذاہب کا سبب

پاؤگے تو سچا اور با امانت پاؤگے ۔ اگر عمر کو خلیفہ بناؤگے تو با انصاف پاؤگے ۔
اگر علی کو میرے بعد خلیفہ بناؤگے تو وہ تم کو سیدھا بہشت میں پہنچا دیگا ۔ مگر مجھکو
یقین نہیں ہوتا کہ تم علی کو خلیفہ بناؤ ۔ سن لیا آپنے یہ سنیوں کی حدیث صحیح میں منقول
ہے ۔ اب سائل صاحب انصاف فرمائیں اور اسمیں غور کریں کہ جب راہ بہشت اطاعت
امیرالمومنین پر منحصر تھی اور بعلم رسول خدا صلعم صحابہ ایسے شخص کی خلافت کو
ناپسند فرماتے تھے تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ ان لوگوں کو بہشت کی ضرورت
نہ تھی جس چیز کی انکو ضرورت تھی وہی چیز انہوں نے لے لی ۔ اب تو حدیث مشکوٰۃ اور
تحریر مولوی عبد العزیز صاحب سے واضح ہو گیا ہو گا کہ طالب دنیا با وصف انعام
بہشت کے بھی جناب امیر علیہ السلام کی خلافت سے بیزار تھے رسول
ختمی مرتبت کی طرح علی مرتضےٰ علیہ السلام کو بھی بعلم امامت معلوم تھا کہ صحابہ مجھکو خلیفہ
بعد از رسول نہ ہونے دینگے اطمینان کے لئے **بخاری** جزو ششم میں صفحہ ۳۷ پر
دیکھ لو کہ حضرت عباس نے جناب امیر علیہ السلام سے کہا کہ بہتر ہے کہ خلافت کے باب میں
حضرت سے پوچھ لیا جائے امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سوا میرے کسی کو
اپنا خلیفہ نہ بتائینگے مگر صحابہ مجھکو تخت خلافت کے پاس بھی نہ آنے دینگے چنانچہ
کتب سنت جماعت میں کثرت سے حدیثیں وارد ہیں کہ پیغمبر صلعم نے علی مرتضےٰ کو صریح الفاظ
میں اپنے بعد خلیفہ مقرر فرما دیا تھا جیسا علی ولی کل مومن و مومنۃ بعدی اسیطرح
حدیث علی خلیفتی من بعدی ۔ یا ذرا فرائد السمطین حموینی کو دیکھ لو جس میں
منقول ہے قال رسول اللہ من احب ان یرکب سفینۃ النجاۃ ویستمسک
بالعروۃ الوثقیٰ ویعتصم بحبل اللہ المتین فلیوال علیا ولیعاد عدوہ
ولیأتم بالائمۃ الھداۃ عن عدوہ فانھم خلفائی واوصیائی وحجج اللہ علی خلقہ
من بعدی وسادات امتی وقادۃ الاتقیاء الی الجنۃ حزبھم حزبی وحزبی حزب اللہ
وحزب اعدائھم حزب الشیطان یعنے جناب ختمی رسالت فداہ روحی نے فرمایا کہ اگر کسی کو سفینہ
نجات پر سوار ہونے اور خدا کی مضبوط رسی پکڑنے کی خواہش ہے تو اسکو چاہیے کہ علی سے
محبت اور انکے دشمنوں سے عداوت کرے نیز اولاد علی حضرات ائمہ علیہم السلام سے بھی راہ
موالات اختیار کرے کیونکہ میرے بعد یہی خلیفہ اور اوصیا اور حجت خدا وہی ہیں اور امت
کی اتقیا کی راہ نمائی انہیں سے وابستہ ہے انکا لشکر میرا لشکر ہے اور میرا لشکر خدا کا لشکر
اور انکے دشمنوں کا لشکر شیطان کا لشکر ہے ۔ اب تو سائل صاحب یہ اعتراض نہیں کر سکتے کہ جناب
پیغمبر صلعم نے امر خلافت علی علیہ السلام میں پیچھے کسی سے نہیں فرمایا تھا ۔ طالب دنیا حکم خدا

پیغمبر نے خلافت علی کو صراحتاً بیان فرمایا

و رسولؐ کے ماننے سے اعراض کریں تو یہ اُنکی اپنی غلطی ہے مگر افسوس اس امر کا ہے کہ باوجود اپنی غلطی کے پھر یہ لوگ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے۔ وھو العالم۔ حائری

سوال تعیین و تقرر امام علیہ السلام کے کیا اغراض ہیں ایا تقرر امام عقلاً منجانب اللہ ہونا واجب ہے یا منجانب الرسول۔ امید ہے کہ مفصل و واضح ارشاد فرمایا جاوے۔ **الجواب** اغراض تقرر و تعیین امام علیہ السلام کے متعلق یہ التماس ہے کہ جو اغراض کہ انبیاء کی بعثت کیلئے ہیں وہی اغراض تعیین امام سے بھی متعلق ہیں کیونکہ امامت نبوت کا ایک رکن اعظم ہے جیسے کہ نبوت وحدانیت کا رکن اعظم ہے۔ یعنے جس طرح کہ وحدانیت خدا اور اسکے احکام کی معرفت بعثت انبیاء علیہم السلام کے بغیر ناممکن ہے۔ اسیطرح انجام وہی کار رسالت عملاً بدون تعیین امام کے یقیناً ناقص اور ناتمام ہے۔ امامت کو بلحاظ رتبہ کے نبوت سے وہی نسبت ہے جو ولایت عہد کو بادشاہت سے ہے۔ نبی حامل نوامیس الٰہی ہوتا ہے۔ اور امام عملاً ان نوامیس الٰہیہ کیلئے پیغمبر کے بعد نبی کا کاربرداز ہوتا ہے۔ امام کی ضرورت حالت حیات پیغمبرؐ میں بعنوان وزارت ہے۔ اور بعد وفات پیغمبر کے بغیر امام کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ تاکہ کار اصلاح و تکمیل نوع بشری منقطع نہ ہوجائے۔ اور معاملات دنیا و دین حسب منشاء خدا و رسول پورے ہوتے رہیں۔ معطل اور مہمل نہ رہجائیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ جو حاجت لوگوں کو بعثت انبیاء کی تھی یعنے اصلاح امور معاش و معاد و تکمیل نفس وہی حاجت وفات پیغمبر کے بعد بھی باقی ہے اس حاجت کا خدا پر پورا کرنا عقلاً واجب ہے۔ کیونکہ جو امر بہمہ وجوہ اصلح و مفید حال بندگان ہو اس کا کرنا خدا پر واجب ہے۔ اور شک نہیں کہ امامت کا بہمہ وجوہ اصلح اور مفید ہونا ظاہر ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ خدا پر تعیین کرنا امام کا اپنی مصلحت کے موافق واجب ہے۔ تاکہ وفات پیغمبرؐ کے بعد سلسلۂ ہدایت و اصلاح خلق برقرار رہے۔ اگر خدا نے ایسا نہیں کیا اور بندوں کی رائے و قیاس پر اس اہم معاملہ کو چھوڑ دیا تو بعثت انبیاء کی غرض یقیناً ناتمام رہی۔ اور معاذ اللہ خدا سے ترک امر واجب عمل میں آیا جو محال ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ تعین و تقرر امام عقلاً خدا تعالےٰ پر واجب ہے۔ اسیطرح امام کا تعین منجانب رسول صلعم بھی واجب ہے۔ کہ وہ اپنی حین حیات میں اجرائے ریاست اور بعد وفات نگہداری و حفاظت شریعت کیلئے اپنا جانشین مقرر کرے اور اس امر کو محل اختلاف رائے و نزاع باہمی امت کے اختیار پر نہ چھوڑ جائے جس سے کار شریعت معطل و مجہول اور غرض انکی بعثت کی ناقص و ناتمام رہے۔ چنانچہ سیرت و عادت انبیاء اسی طرح جاری ہے کہ اُنہوں نے اپنی حیات ہی میں کار رسالت کو پورا کرنے کیلئے اپنا جانشین معین کیا ہے قبل تعیین وصی و وزیر بھلا ہوئی نبی دنیا سے اٹھا ہو؟ خاصکر جناب ختمی رسالت فداہ روحی کیواسطے یہ امر زیادہ ضروری تھا کیونکہ آنجناب صلعم خاتم الانبیاء تھے آسمانی کتاب اور مستحکم

شریعت خدا کیطرف سے قیامت تک۔ لائے تھے۔ آپ فرائض۔ مواریث۔ قضایا۔ معاملات احکام
فقہ اور آداب سنن و دیگر تمام امور متعلق بہ ضروریات اخلاقی و اہلی و تمدنی بموجب وحی خدا معین
فرما چکے تھے۔ پھر باوجود اسکے حضور صلعم کی مدت بعثت بھی بہت کم تھی یعنے پورے طور پر
ملقا و تعلیم تمام ان احکام کی حضور روحی فداہ کے حیات میں دشوار تھی ایک طرف
نواشاعت دین میں اشتغال۔ دوسری طرف معاندین و منافقین کی کثرت جنکی نسبت فرمایا ہے
بغضاً سخطاً لمن غیّر بعدی (بخاری) موجود تھے پس ایسی حالت میں خدا اور رسول دونوں پر
عقلاً واجب تھا کہ امر ہدایت و تعلیم کو ناتمام نہ چھوڑتے اور کوئی شخص حافظ امت و شریعت
اور نگہبان کتاب و سنت مقرر کرتے۔ خصوصاً ایسی کتاب جسکی بہت سی آیات مجمل و مشکل و متشابہ
ذو جہتین اور ذو احتمالات ہیں اس کو امت میں اس حالت پر نہ چھوڑ جاتے کہ ہنوز اس کی
ترتیب بھی نہ ہوئی ہو۔ اور ہر شخص اپنے مطلب کے موافق اس میں معنے لگانے کیلئے تیار تھا۔ پھر یہ
کہ خود جناب ختمی مآب صلعم کی حدیثیں کمال بے ترتیبی کیحالت میں تھیں ان تمام امور کو چند نو
مسلمانوں (جو بات بات پر مرتد ہو جاتے اور نبوت میں شک کرتے) کے بھروسے پر چھوڑ جانا
نہایت امر شنیع تھا۔ جو اسکو عموماً اپنے بندوں کے ساتھ ہے اور خصوصاً اس امت مرحومہ
کی نسبت قرآن مجید حمید میں ظاہر فرما چکا تھا۔ و نیز پیغمبر خدا صلعم کی اس شفقت اور
مہربانی کے خلاف تھا جو کہ کار امت میں انواع و اقسام کی ایذاء و تکلیف اٹھا کر ظاہر فرما چکے تھے۔
پس کسطرح سے ممکن تھا کہ اپنے مابعد کیلئے بے پرواہی کے ساتھ کار امت کو بلا تعین خلیفہ معطل
اور مہمل چھوڑ جاتے اور وصیت کے وجوب سے غافل رہتے حال آنکہ ایک معمولی عقل کا آدمی اگر
اپنی جائداد و معاملات کا انتظام اپنے بعد کیلئے نہ کرے تو عقلاً و عملاً مورد اعتراض و الزام
ہوتا ہے اور تنازعات مابعد کا سبب قرار پاتا ہے۔ چہ جائیکہ خاتم الانبیاء و سید المرسلین صلعم
سا علیم اور عاقل صاحب ناموس شریعت یہ قبح عقلی اپنے واسطے گوارہ کرتا باوجودیکہ
حیات میں جب کبھی سفر کا اتفاق ہوا۔ تو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا سلو سفر آخرت
اختیار کرنے کیلئے ایسے امر واجبی کو ترک فرماتے۔ لہذا تمام شواہد احوال اور وقایع تاریخی
و استدلالات عقلی و نقلی پر نظر ڈالنے سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ امام کا تقرر و تعین
منجانب رسول بحیات خود پیغمبر صلعم پر واجب ہے۔ اسی بناء پر جناب ختمی مآب صلعم نے
ایک لاکھ بیس ہزار نفوس کی موجودگی میں جناب امیر علیہ السلام کو اپنا وصی خلیفہ اور
قائمقام غدیر خم میں مقرر فرمایا ولنعم ما قیل ھا علی بشر کیف بشر + ربہ
فیہ تجلی وظہر + قال من کنت انا مولاہ + فعلی لہ مولی ومفر + قبل
تعیین وصی و وزیر + ھل تری ذات بیتی دھر ۔ حائری

[illegible]

سوال - مجھے ایک سُنی مولوی صاحب سے مسئلہ خلافت میں گفتگو کرنے کا موقع ملا
مولوی صاحب نے فرمایا خلافت ثلثہ پر اجماع بھی ہے اور نص بھی کیونکہ پیغمبر صلعم نے فرمایا
ہے اقتدوا بالذین من بعدی ابو بکر و عمر یہ نص نہیں تو کیا ہے کیا یہ نص صحیح ہے
اور حضور ختمی مآب صلعم نے ایسا فرمایا ہے - بینوا و توجروا - **الجواب** چشم
بد دور مولوی صاحب نے تو وہ کام کیا جو تیرہ سو برس میں بھی کوئی نہ کر سکا یہاں
تو مسئلہ خلافت میں بمقابلہ نص ثبوت اور حجیت اجماع میں بھی کلام ہے چہ جائے کہ
نص - اگر ایسا ہوتا کہ حضرات خلفاء ثلثہ کی حقیت خلافت پر یہ لوگ نص پیش کر سکتے تو
ہمیشہ کے لئے یہ جھگڑا ہی نہ مٹ جاتا - اگر حضرات ثلثہ کی خلافت پر ایک نص بھی وارد
ہوتی تو حضرات اہل سنت کو مجوزہ خلافت کے صحیح اور حق ثابت کرنے میں معدودے چند
آدمیوں کے اجماع کو دلیل و حجت نہ قرار دینا پڑتا شیعہ تو نص کے قائل تھے ہی اگر سنی بھی قائل
ہو جاتے تو جھگڑا ایک جسکی خلافت پر نص ہوتی وہی بالاتفاق خلیفہ مان لئے جاتے -
صرف نص کے توڑنے ہی کی غرض سے تو اجماع کا ڈھانچ کھڑا کیا گیا - اور خلافت الٰہیہ میں
انی جاعل فی الارض خلیفہ اور انا جعلناک خلیفۃ فی الارض - اور انی
جاعلک للناس اماما جیسے کھلی نشانیوں سے سبق حاصل نہ کیا گیا - کہ اگر امامت
و خلافت الٰہیہ لوگوں کے بنانے سے بن سکتی تو قرآن ہر جگہ امامت و خلافت کے نصب کرنے
کے موقع پر انی جاعل اور انا جعلناک اور انی جاعلک نفرماتا - اسیطرح خلافت
مآب ابوبکر صاحب سے جب سائل نے انت الخلیفۃ بعد الرسول کہا تو بلفظ لا خلافت
الٰہیہ سے الخ انکار نہ کرنا پڑتا دیکھو **نہایۃ** ابن اثیر جزری لغت خلف اور **مجمع
بحار الانوار** علامہ محمد طاہر گجراتی مطبوعہ نولکشور جلد اول صفحہ ۳۶۳ اب اس روایت اقتدوا
بالذین الخ کی حقیقت کو بھی سُن لیجئے تین امر اس میں حارج ہیں - **اول** یہ بالاتفاق
ثابت ہے کہ شورے سقیفہ کے روز انصار نے کہا منا امیر و منکم امیر ابوبکر صاحب نے
فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ الائمۃ من قریش کہ ائمہ قریش میں سے
ہونگے پس پیغمبر صلعم نے اگر اقتدوا بابی بکر و عمر فرمایا ہوتا تو ابوبکر صاحب نے یہ
روایت انصار کے جواب میں کیوں نہ فرمادی - اور کیوں حدیث الائمۃ من قریش
سے متمسک ہوئے **دوم** اس روایت میں ابوبکر صاحب اور عمر صاحب دونوں کے اقتداء
کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس دو صورتوں سے خالی نہیں ہے - یا تو کہا جاوے پیغمبر صلعم نے
ایک ہی وقت میں دونوں کی اقتداء کرنے کا حکم دیا ہے یا ایک کے بعد دوسرے کا - پہلی
صورت تو اسلئے باطل ہے کہ اجماع امت قائم ہے دو امام اور دو خلیفے ایک وقت میں

روایت اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر [illegible] موضوع

نہیں ہوسکتے۔ رہی دوسری صورت وہ اس لئے باطل ہے کہ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو بھیجا۔ کہ مالک بن نویرہ اور بنو حنیفہ کو قتل کرکے انکی عورتیں بچے مال وغیرہ سب کچھ لے آوے۔ لیکن حضرت عمر اسکے خلاف تھے۔ یہاں تک کہ ابوبکر صاحب سے کہہ بھی دیا کہ انکے بچوں اور عورتوں کو واپس بھیجدیا جائے۔ اور ان کا مال بھی رد کردیا جائے۔ لیکن ابوبکر صاحب نے نہ ماننا تھا نہ مانا۔ پھر حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں انہیں واپس کردیا۔ اسیطرح حضرت ابوبکر مال غنیمت برابر تقسیم کیا کرتے تھے۔ لیکن عمر صاحب متفرق کم زیادہ تقسیم کرتے رہے۔ ابوبکر صاحب نے زمینوں پر خراج نہیں لگایا مگر عمر صاحب نے خراج لگادیا۔ ابوبکر صاحب نے بوقت وفات حضرت عمر صاحب کو خلیفہ کردیا۔ مگر عمر صاحب نے بوقت وفات چھ آدمیوں سے شوریٰ لے کیا اس قسم کی متضاد باتیں بکثرت دونوں سے ظہور پذیر ہوئیں۔ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ جنسے متضاد افعال صادر ہوسکتے ہیں انکے اقتدا کرنے کا پیغمبر صلعم حکم کرے۔ **یہ جرح ہوسکتی ہے** کہ ان دونوں خلفائے آپ کے یہ متضاد افعال کتاب اور سنت کے موافق تھے یا مخالف۔ موافق تو ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ قرآن اور سنت متضاد نہیں ہیں۔ اگر کہو کہ متضاد تھے تو جو قرآن اور سنت سے متضاد ہو اسمیں اقتدا کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ ورنہ پیغمبر صلعم پر یہ اعتراض آئیگا کہ اپنے خلاف قرآن و سنت اقتدا کرنے کا کیوں حکم دیا۔ **سوم** تمام تواریخ سے یہ ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلعم نے مرض الموت میں **اسامہ** بن زید کو امیر قوم قرار دیا۔ اور حضرات ثلثہ و دیگر اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ اسامہ کے تحت رایت میں وہ سب شام کو چلے جائیں۔ لشکرگاہ اسامہ مدینہ منورہ سے ایک منزل دور تھی پیغمبر فرماتے انفذوا جیش اسامہ پھر فرماتے لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ (بخاری)۔ حضرات شیخین فرماتے رہے کہ پیغمبر خدا صلعم جبتک بالکل تندرست نہ ہولیں ہم مدینہ سے باہر نہ جائیں گے۔

رسالتمآب صلعم جب رحلت فرما چکے اور حضرت ابوبکر تخت نشین ہوگئے تو اسامہ کو نامہ لکھکر روانہ کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ خلیفہ رسول ابوبکر بن ابی قحافہ کیطرف سے اسامہ بن زید کو معلوم ہو کہ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوگیا۔ اور لوگوں نے مجھے اہل سمجھکر امارت اور خلافت پر منصوب کیا۔ اے اسامہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے عمر بن خطاب کے سوا کوئی چارہ نہیں اسلیئے اسکو میرے پاس بھیجدو اور تم خود شام کیطرف چلے جاؤ۔ اسامہ نے جواب میں لکھا کہ اسامہ بن زید کیجانب سے

دربارہ اقتدا ابوبکر و عمر صحیح نہیں ہے

ابوبکر کو واضح ہو - کہ یہ جو تم نے لکھا ہے کہ لوگوں نے مجھے اہل سمجھ کر خلافت اور امامت کے لئے مقرر کیا - اگر تم رسول اللہ صلعم کے خلیفہ ہو تو لوگوں کو تمہیں خلافت پر مقرر کرنے کا کیا حق حاصل ہے - اور اگر لوگوں نے تمہیں خلافت کیلئے اہل سمجھ لیا ہے تو پھر تم امت کے خلیفہ ہوئے - نہ خلیفہ رسول - اسکے جواب میں کیوں نہ حضرت ابوبکر نے اقتدوا والی روایت پیش کر دی - اگر یہ حدیث رسول اللہ ہوتی تو ضرور وہ اسوقت اسکو احتجاج میں پیش کرتے - اور حضرت عمر کی رخصت طلبی کیلئے وہ اسامہ سے درخواست نہ کرتے - بلکہ بحیثیت خلیفہ رسول ہونے کے مثل رسول اللہ صلعم وہ اسامہ کو بھی امر و نہی کرتے - اور مخالفت کرنے کی حالت میں وہ اسامہ کو نصب و عزل کر سکتے - مگر ایسا نہیں کیا - اور نہ یہ حدیث اقتداء حجت میں پیش کی - حضرت ابوبکر کا اسامہ سے حضرت عمر کیلئے رخصت طلب کرنا دلیل جلیل ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور قابل حجت نہیں - حائری -

سوال مسئلہ فدک میں ایک سُنی مولوی صاحب نے "نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث" والی مشہور حدیث پیش کی اور بیٹے آیت ورث سلیمان داؤد اسکے نقض میں پڑھکر سنائی مولوی صاحب نے فرمایا اس آیت میں مال کا ذکر کہاں ہے البتہ وراثت کا ذکر ضرور ہے - امید ہے کہ اسکے متعلق تشفی فرمائینگے کہ سلیمان نے داؤد سے میراث میں علم پایا ہے یا مال - نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ فاطمہ زہرا سے جو گواہی طلب کیگئی حضرت ابوبکر کا فیصلہ اسکے متعلق کن وجوہ سے باطل ہے -

الجواب اصل بات یہ ہے کہ علم دو قسم پر ہے ایک ضروری دوسرا کسبی یہ دونوں قسم تو میراث میں مل سکنے کے قابل نہیں - ایت ورث سلیمان الخ میں اگر لفظ مال نہیں ہے تو لفظ علم بھی تو نہیں ہے - پھر علم کی تخصیص کے معنے ٹھیری - رہا علم لدنی وہ عطاء پر موقوف ہے - جسکو چاہے خدا عطاء فرمائے - پس وہ بھی میراث میں کسی کو نہیں مل سکتا - رہا نبوت کا میراث میں جانا یہ اسلئے باطل ہے کہ سلیمان علیہ السلام تو عین حیات داؤد ہی میں نبی ہو چکا تھا قرآن اسپر ناطق ہے وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا بحکمہم شاہدین ففہمناہا سلیمان نبوت اگر ایسی چیز ہوتی جو وراثت میں کسی کو مل سکتی - تو پھر جسکے دس فرزند ہوتے - وہ سب مال کی طرح نبوت کو حصے بخرے بنا لیتے - تو نبوت کیا ہوئی - ہنڈیا چولہا - توا وغیرہ بنگئی - اسصورت میں تو کوئی معیار ہی حصول نبوت کے لئے باقی نہیں رہ سکتا گدی نشینوں کی طرح باپ کے بعد بیٹا صالح ہو یا طالح نبوت کی گدی پر

ہو بیٹھا۔ چلو چھٹی ہوئی۔ ما بخیر و شما بسلامت۔ غور سے سنو ہم اہل سنت ہی کی معتبرہ
تواریخ سے بتانا چاہتے ہیں کہ سلیمان نے باپ سے میراث میں کیا پایا **واقدی** نے
اسکو مفصل لکھا ہے کہ جناب سلیمانؑ کو گھوڑوں کا بہت شوق تھا۔ دنیا بھر میں جہاں
عمدہ گھوڑا تھا وہ حضرت داؤدؑ نے اپنے پاس جمع کر لیا تھا۔ جب داؤد علیہ السلام نے
وفات پائی تو وہ سب گھوڑے سلیمان علیہ السلام کو میراث میں ملے اور سلیمانؑ
نے فرمایا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے مال ہیں گھوڑوں سے عمدہ کوئی مال مجھے نہیں ملا۔ اب
بتاؤ اگر سلیمان علیہ السلام کو میراث میں گھوڑوں کا ملنا مال نہیں تو کیا ہے۔ اب
سنئے جو گواہی جناب صدیقہ طاہرہؑ سے طلب کیگئی اس کا کیا حشر ہوا۔ دعوے
فدک میں جب گواہی طلب کیگئی تو جناب صدیقہؑ نے امیر المومنین علیہ السلام۔
امام حسن امام حسین علیہم السلام ام ایمن اور قنبر کو گواہی میں پیش کیا۔ حضرت
ابوبکر نے کہا **فاطمۃ کالثعلب وشھودھا ذنبھا** یعنے معاذ اللہ فاطمہ
تو مثل لومڑی کے ہے اور اُسکے گواہ دُم کی مانند ہیں۔ اے فاطمہ۔ علی تیرا شوہر ہے
زوجہ کے حق میں اُسکی شہادت میں نہیں سننا چاہتا۔ حسن اور حسین تمہارے فرزند
ہیں والدہ کے حق میں انکی شہادت میں نہیں قبول کر سکتا۔ ام ایمن ایک عورت ہے
اس کی نصف شہادت پر میں فدک تمکو تسلیم نہیں کر سکتا۔ رہا قنبر پس وہ ایک
غلام حبشی ہے جس کی شہادت مسموع نہیں ہو سکتی۔ **اس فیصلہ کا بطلان**
اور سُقم کئی وجہوں سے ثابت ہوتا ہے **اول** یہہ ہے کہ جناب سیدہؑ و جناب امیرؑ اور
حسنینؑ بالاتفاق اہل بیت رسول ہیں۔ **انما یرید اللہ لیذھب عنکم
الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا** اُنکی عصمت۔ پاکی اور طہارت
پر شاہد ناطق ہے۔ جناب ختمی رسالت صلعم نے خذیمہ بن ثابت ذو الشہادتین (جو
غیر معصوم تھا) کی شہادت کو دو عادل گواہوں کے برابر قرار دیا مگر افسوس کہ حضرت
ابوبکر نے اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام کے دعوے اور شہادت کی تکذیب کی
اور خدا جانے کہ اس شہادت عصمت کی منطق پر اعتماد کیوں نہیں کی۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے
کہ جنکو خدا نے معصوم اور مطہر بنایا وہ قرار دیا ہے وہ اس دعوے اور شہادت میں
گناہ کذب کے مرتکب ہوں حاشا وکلا۔ دوم آیت وانذر عشیرتک الاقربین
میں سب سے زیادہ اقرب قریبہ پیغمبر ہیں جناب سیدہؑ تھیں دو ہی صورتیں ہو سکتی
ہیں پیغمبر صاحب نے انکو انذار کیا کہ کسی دوسرے کا مرتکب نہوں۔ حرام کھانے سے بچنا۔ ناحق
کرنا۔ کسی کا حق غصب نہ کرنا وغیرہ وغیرہ یا انذار نہیں کیا۔ اگر جناب سیدہؑ

نے معاذ اللہ اسپر عملدرآمد نہیں کیا تو عصمت سے خارج ہونگے یہ محال ہے کہ جسکے
عصمت و طہارت عن الرجس کی خدا شہادت دیتا ہو۔ وہ خلاف عصمت کر سکے
اور اگر یہ کہا جاوے کہ انکو پیغمبر صلعم نے نہیں انذار کیا تو پھر لازم آئیگا کہ پیغمبر
نے تبلیغ رسالت نہیں کی معاذ اللہ یہ صورت بھی محال اور ناممکن ہے تو اب
اس سے ثابت ہوا کہ جناب سیدہ کا دعوےٰ اور شہادت لازماً بالحق اور صداقت پر
مبنی تھا۔ اور غیر معصوم حاکم کا فیصلہ خلاف حق اور باطل تھا۔ سوم۔ حاکم کا یہ فیصلہ
دینا کہ علی علیہ السلام کی شہادت اپنی زوجہ کے حق میں قابل قبول نہیں آیا علی کو بھی
یہ معلوم تھا یا نہیں۔ اگر معلوم تھا کہ قابل قبول نہیں۔ تو کیوں ایسے موقع کی گواہی
دی جو شرعاً قبول نہیں کیجا سکتی۔ پس ایسے شخص کو جناب پیغمبر صلعم نے منصب قضا
کے لئے کیونکر مقرر فرما دیا۔ اور کہا کہ و علی اقضاکم اور الحق مع علی و
علی مع الحق یدور معہ حیث ما دار کیوں انکے حق میں ارشاد فرمایا۔
(متفق علیہ) پس پیغمبر اور علی علیہما السلام جو معصوم اور عالم علم لدنی ہیں
انکو ایک غیر معصوم اور محدود العلم حاکم کے فیصلہ پر کیونکر اور کتاب مخالفت حق کا
ملزم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ اصل روایت لا نرث و لا نورث
عقل۔ قرآن اور سنت کے خلاف ہے۔ **خلاف عقل** تو اسلئے ہے کہ مجوس یہود
اور نصاریٰ بلکہ ہنود۔ دہریہ وغیرہ میں سے ایسی کوئی قوم بھی نہیں ہے جو باپ کے
مرنیکے بعد اولاد کو ترکہ سے محروم کر کے سالوں سسروں کو وارث بنا دے اور **خلاف
قرآن** اسلئے ہے کہ آیات مواریث جس قدر بھی قرآن میں مذکور ہیں وہاں اولاد
مذکر ہو یا مؤنث تقسیم ترکہ کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً آیت مجیدہ للرجال نصیب مما
ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیباً مفروضا اسیطرح غور
طلب ہے آیت مجیدہ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ بتاؤ کسی
آیت میں بنت محمد صلعم کے محروم الارث ہونے کا استثناء ہوا ہے۔ اگر نہیں تو پھر جناب
سیدہ سلام اللہ علیہا ان آیات مواریث کے مخالف ترکہ پدری سے کیوں محروم کی گئیں
جو روایت کہ صریحاً نص قرآنی کے خلاف ہے کیوں اسپر عملدرآمد کیا گیا جبکہ پیغمبر صلعم نے بالاتفاق
صحت حدیث کا معیار ہی مطابقت قرآن بالاتفاق مقرر کر دیا ہے۔ اسی معیار مقررہ پر
ہم کہتے ہیں کہ یقیناً جناب سیدہ ان آیات قرآنی کے رو سے ترکہ پدری کی حقدار تھیں اور
ابوبکر صاحب کی روایت لا نرث و لا نورث الخ قرآن مجید سے معارض و مخالف ہونیکی وجہ
موضوع اور واجب الطرد ہے۔ علاوہ اس مروی ابوبکر صاحب کو صحیح تسلیم کر لینے میں

ابوبکر کا فیصلہ فدک اور وراثت دونوں صورتوں میں غلط ہے

روایت لا نرث و لا نورث
مخالف قرآن ہونیکی وجہ سے موضوع ہے

مذکورہ مضمون کے علاوہ یہ بھی لازم آئیگا کہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام امت سے جو کچھ منواتے معاذ اللہ خود اسپر عملدرآمد نفرماتے تھے۔ ساری امت تو قیامت تک اولاد ذکور واناث کو میراث دینے پر مامور کیجاتی ہے۔ مگر پیغمبر خود اسکے خلاف اپنی اولاد کو میراث دینے سے محروم کرجاتے ہیں اور پیغمبر صلعم کو ایت اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کا مورد اعتراض گردانتے ہیں۔ افسوس فما لکم کیف تحکمون۔ وھو العالم۔ حائری۔

سوال حدود فدک اور اس کے بساتین کے کیا نام تھے۔ اور جناب سیدہ پیغمبر کے حین حیات میں کے برس اُنپر عامل رہیں۔ **الجواب** بروایت ابو سعید خدری حدود فدک حسب ذیل ہیں۔ حد غربی اول حد غربی مصر ہے دوم دومۃ الجندل سوم احد مدینہ۔ چہارم سیف البحر یہ جملہ بلاد عرب ہیں جو ملک پیغمبر صلعم اور آنجناب فداہ روحی نے نزول آیت وآت ذالقربی حقہ کے بعد جناب سیدہ علیہا السلام کو یہ باغ فدک عنایت فرمایا تھا اور جناب سیدہ پیغمبر کے حین حیات میں تین سال تک اسپر عامل رہیں۔ مذکورہ روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بساتین فدک کے نام حسب ذیل تھے اول میثت دوم صادقیہ۔ سوم دال۔ چہارم بسی۔ پنجم برصفہ ششم عواف۔ ھفتم مشربہ فدک کے یہ ہیں سات بستان جو ان سات ناموں سے مشہور تھے جنکو ابو بکر صاحب نے اس معصومہ سے ضبط کیا تھا۔ اور ابو بکر صاحب کے جو حلقہ بگوش ہیں۔ اتنے وسیع رقبہ کو جو سات بستانوں پر مبنی تھا صرف دو تین درخت خرما کے تعبیر کرتے ہیں۔ وھو العالم۔ حائری۔

سوال حدیث ذو النورین جو حضرت عثمان کے متعلق اہل سنت میں مشہور روایت ہے اس سے کونسے دو نور مراد ہیں۔ واضح طور پر ارشاد فرمایا جاوے۔ **الجواب** حضرت عثمان کیلئے کوئی خاص نور ہو تو میں بتاؤں۔ اس روایت نورین میں اگر مراد نور دنیا اور نور آخرت ہے تو اس سے کوئی خاص فضیلت انکے لئے ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ ہر مومن کیلئے خدا یتعالے نے دنیا و آخرت میں دو نور عطا فرمائے ہیں سنئے نور دنیا کے متعلق تو آیت ذیل کو ملاحظہ فرمالیں۔ او من کان میتا فاحیینٰہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس (پ ۸ ع ۲) کیا ایک شخص جو پہلے مردہ تھا۔ پھر اس میں ہمنے جان ڈالی اور اسکو ایک نور عطا فرمایا جسکی مدد سے وہ لوگوں میں (خاص طرح) چلتا پھرتا ہے۔ سنا آپنے یہ تو تھا نور دنیا۔ اب نور آخرت کی بھی آیت سن لیں یوم تری المومنین والمومنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم الخ (پ ۲۷ ع ۱۶) یعنی (اے

حدود و اسماء بساتین فدک

پیغمبر صلعم) اس روز مومنین اور مومنات کو دیکھوگے کہ انکا (ایمان مشعل) نور (بنکر) ان کے آگے اور انکے داھنے طرف چل رہا ہوگا پس جبکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ جملہ مومنین کیلئے دو نور ہیں تو فرمائیے حضرت عثمان کیلئے اسمیں کونسی خصوصیت اور فضیلت باقی رہگئی - ہر ایک مومن ذوالنورین ہے - اگر حضرت عثمان بھی مومن ہیں تو پھر وہ بھی ذوالنورین ہونگے - تخصیص اور تفضیل دوسروں پر انکو کسی طرح اس میں حاصل نہیں ہو سکتی - اور اگر ذوالنورین کے خطاب سے حضرت عثمان کے ایمان کا اظہار مقصود ہو تو بہت بڑا سقم اسمیں یہ لازم آئیگا - کہ ان لوگوں کے نزدیک شیخین عثمان سے افضل تھے - ان کے ایمان و منزلت کو پیغمبر صلعم نے کیوں نہ اظہار فرمایا - اور عثمان کیلئے نور کے ذکر سے کیوں تخصیص فرمائی رسالتمآب صلعم کیلئے یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جملہ مومنین میں سے ایک شخص کے تو ایمان کا ذکر کردے اور باقی سب مومنوں کے ایمان سے سکوت اختیار فرمائے - اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ ایک خاص نور تھا جو عثمان ہی کیلئے دنیا و آخرت میں خاص کیا گیا - تو اسپر یہ جرح ہو سکیگی کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کیلئے بھی یہ نور خاص تھا یا نہ تھا اگر شیخین کیلئے بھی خاص تھا تو پھر عثمان کیلئے تخصیص میں کوئی فائدہ نہ رہا - اور اگر شیخین اس نور خاص سے محروم تھے تو پھر حضرت عثمان حضرات شیخین سے لازماً افضل ٹھیرینگے جو عقیدۂ اہل سنت کے خلاف ہے - وھو العالم - حائری

سوال حضرات ائمہ اثنا عشر معصومین علیہم السلام خصوصاً امام المتقین امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام انبیاء و سلف سے افضل تھے - یا انسے درجہ مساوات انکو حاصل تھا اور یا یہ کہ من حیث النبوت انبیاء حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام سے افضل ہیں امید ہے کہ یہ فتوے مع الدلیل تحریر فرمایا جاوے - **الجواب** بالاتفاق فرقۂ امامیہ کا اعتقاد ہے کہ جناب امیر علیہ السلام باستثناء جناب ختمی رسالت صلعم جملہ بشر سے افضل ہیں کیونکہ قرآن مجید میں آیت مباہلہ کے لفظ انفسنا سے بالاتفاق نفس رسول اللہ سے علی علیہ السلام مراد ہیں چونکہ رسول اللہ صلعم سب سے افضل ہیں اسلئے نفس رسول علی بھی سب سے افضل ٹھیرے - فخر الدین **رازی** نے اسی آیت انفسنا کی تفسیر میں انبیاء سلف اور صحابہ پر جناب امیر علیہ السلام کی افضلیت کا استدلال کیا ہے - اور ساتھ ہی یہ بھی لکھدیا ہے کہ اجماع اسبات پر قائم ہے کہ نبی غیر نبی سے افضل ہے - اور علی پیغمبر نہیں تھا - سو اس کا جواب صاف ہے کہ رازی نفس انفسنا کے استدلال سے تو فضیلت علی کا معترف ہو چکا ہے جس سے ہمکو بھی اتفاق ہے - رہا نقض کے مقابلہ میں چند غیر معصوموں کے اجماع کا دعوے انکا وہ کسیطرح قابل حجت نہیں ہو سکتا - **مزید براں** ہم کہینگے کہ **معیار** افضلیت علم ہے جیسا کہ قرآن نے خود اسکا فیصلہ کر دیا ہے هل

یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون کبھی عالم اور غیر عالم کا درجہ مساوی
نہیں ہوسکتا۔ **غور کرو** (خلافت الٰہیہ) آدم علیہ السلام میں معارضہ ملائکہ پر فعلم
آدم الاسماء کلہا علم آدم علیہ السلام نے ہی تو فرشتوں کو لا علم لنا الا ما علمتنا
کہنے پر مجبور کیا ورنہ فرشتوں کا وہ پہلا قول یاد کرلو جو کہا تھا اتجعل فیہا من
یفسد فیہا و یسفک الدماء۔ سچ کہنا ان لفظوں سے آدم علیہ السلام کی
افضلیت ظاہر ہے یا کچھ اور۔ دیکھو اب وہی فرشتے ہیں جو اسی آدم کے سامنے سر
بسجود گرے پڑے ہیں۔ بتاؤ۔ علم سے یہ افضلیت آدم کو حاصل ہوئی یا نبوت سے
نبوت پر بھی تو آدم اسی علم کی وجہ سے ممتاز ہوئے تو پس ثابت ہوا کہ معیار افضلیت
علم ہے نہ نبوت۔ اگر نبوت معیار افضلیت ہوتی تو پھر من حیث النبوت سب نبی و
رسول یکساں مساوی ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضہم
علی بعض انکے اختلاف مدارج پر شاہد ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبوت و رسالت فی الحقیقت
معیار افضلیت نہیں ہے۔ بلکہ علم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فخر رازی کا یہ کہنا کہ اجماع ہے
نبی غیر نبی سے افضل ہے غلط مخالف عقل و نقل ہے۔ **جناب امیر** علیہ السلام اگر
اعلم تھے تو بالضرور سب سے افضل بھی تھے۔ رسالتمآب روحی فداہ جو قرآن جیسی کتاب
لائے سب نبیوں سے اعلم تھے اور علی نفس رسول تھے جو دامن علم رسالت میں تربیت
حاصل کرتے رہے جن کو رسول اللہ صلعم نے ہزار دروازہ علم و حکمت کا تعلیم دیا اور ہر
دروازہ سے ہزار ہزار دروازہ علم کا ان کے لئے مفتوح ہوا جس کے علم کی ومن عندہ
علم الکتاب نے بالاتفاق شہادت دی۔ **ثعلبی** اور **ابونعیم** نے نقل کیا ہے **محمد بن**
حنیفہ سے انتقال من عندہ علم الکتاب علی بن ابیطالب یعنے قرآن کی جس
آیت کے معنے یہ ہیں کہ۔ "جس کے پاس کتاب خدا کا علم ہے"۔ وہ علی بن ابیطالب ہے
احمد نے مناقب میں نقل کیا ہے عن ابن عباس قد سئلہ الناس فقالوا ای رجل
کان علیاً قال ملاء جوفہ حکما و علما و باساً و نجدۃ مع قرابتہ من رسول اللہ
یعنے ابن عباس سے لوگوں نے پوچھا کہ علی علیہ السلام کیسے آدمی تھے۔ کہا انکا پیٹ علم اور حکمت
اور خوف خدا اور بندگی سے بھرا ہوا تھا باوجودیکہ وہ پیغمبر کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتے
تھے اور **عبدالصمد** نے استیعاب میں نقل کیا ہے عن ابن عباس قال واللہ لقد
اعطی علی اعشار علم ایم اللہ لقد شارکہم فی عشر العاشر یعنے ابن عباس سے
مروی ہے کہ خدا کی قسم علی کو علم کی دہائیاں دیگئی ہیں اور خدا کی قسم کہ علی تمکو دسویں
حصہ میں بھی شریک ہے۔ **اب بتاؤ کہ علی کیطرح علم سے شکم سیر کوئی نبی یا غیر نبی**

معیار افضلیت علم ہے جو علی میں موجود ہے

بغیر خاتم الانبیاءؐ کے تم پیش کر سکتے ہو۔ اگر نہیں تو پھر اس عالم علم لدنی سے تم کسکو کیونکر افضل قرار دیسکتے ہو۔ اسیطرح حدیث **جابر** بھی افضلیت جناب امیر علیہ السلام کے لیے کافی دلیل ہے کہا کہ ختمی مآب صلعم نے ارشاد فرمایا ہے من اراد ان ینظر الی اسرافیل فی ھیبتہ والی جبریل فی جلالتہ والی میکائیل فی درجتہ والی ادم فی سلمہ والی نوح فی حسنہ والی ابراھیم فی خلتہ والی یعقوب فی حزنہ والی یوسف فی جمالہ والی موسیٰ فی مناجاتہ والی ایوب فی صبرہ والی یحییٰ فی زھدہ والی عیسیٰ فی سنتہ والی یونس فی ورعہ والی محمد فی علمہ وخلقہ فلینظر الیٰ علی فان فیہ تسعین خصلۃ من خصال الانبیاء جمع اللہ فیہ ولم یجمع فی احد غیرہ متفق علیہ۔ پس جبکہ یہ سب صفتیں انبیاء علیہم السلام کی علی کی ذات میں جمع اور انبیاء میں سے کسی ایک میں سب کی سب جملۃً موجود نہ تھیں تو لازماً جناب امیر علیہ السلام سب سے افضل ٹھیرے بغیر پیغمبر آخر الزمان صلعم کے۔ کیونکہ علیؑ کو جو کچھ بھی شرف ملا ہے وہ پیغمبر صلعم ہی سے ملا ہے۔ اسی بناء پر ختمی مآب صلعم نے فرمایا ہے علی خیر البشر من ابیٰ فقد کفر کہ جناب امیر علیہ السلام بہترین وافضل ترین بشر ہے اسمیں جو شخص انکار کریگا وہ کافر ہے۔ **رہا**۔ باقی ائمہ معصومین علیہم السلام کا انبیاء پر افضل ہونا اسمیں ہرچند کہ **علامہ حلّی** علیہ الرحمہ متوقف ہیں مگر محققین علام امامیہ کے نزدیک اصح اور اقویٰ یہی ہے کہ باستثناء جناب رسالتمآب ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سب نبیوں سے افضل ہیں **مودۃ القربیٰ** میں سید علی ہمدانی نے جناب پیغمبر صلعم سے روایت کی ہے قال صلعم من احبّ ان یعیش فی رحمۃ اللہ فلا یدخلن قلبہ بان ذریتی افضل الذریات ووصیّ افضل الاوصیاء یعنے جو شخص کہ دوست رکھتا ہو شام و صبح کرے خدا کی رحمت میں وہ اپنے دلمیں شک نہ کرے کہ میری ذریت جملہ ذریتوں سے افضل ہے اور میرا وصی جملہ اوصیاء سے افضل ہے۔ **دوسری حدیث** یہ بھی نقل کی ہے قال النبی صلعم لو علم اللہ تعالیٰ ان فی الارض عباداً اکرم من علی وفاطمۃ والحسن والحسین لامرنی ان اباھل بھم ولکن امرنی فی المباھلۃ مع ھؤلاء وھم افضل الخلق اپنے پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا کہ روی زمین پر جناب علی فاطمہ اور حسنین علیہم السلام سے زیادہ کوئی گرامی خدا کے نزدیک ہوتا تو خدا تعالیٰ مجھے امر فرماتا کہ انکو ہمراہ لیکر دشمنوں سے مباہلہ کرتا۔ لیکن صرف انہیں چار تن کی ہمراہی میں مجھے مباہلہ کرنیکا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جملہ مخلوقات سے یہ ائمہ معصومین علیہم السلام افضل ہیں غور کرو کہ لفظ خلق اسم جنس ہے الف لام استغراق کی غرض سے اسپر داخل ہے جسمیں تمام

بعد آنحضرت ائمہ اثنا عشر انبیاء سے افضل ہیں

مخلوقات انبیاء اولیا۔ اصفیاء ملائکہ۔ انسان سلف وخلف سبھی داخل ہیں پس لا زما اثر طاہرین ان تمام مخلوقات سے افضل ہیں الا ما اخرجہ الدّلیل و هو النبیّ الامّی العربی الّذی کان جدھم ولفضلہ وشرفہ صار الفضل لھم علی الخلق جمیعاً غرض یہ تمام افضلیت ان حضرات اہل البیت معصومین کو علم کیوجہ سے حاصل ہوئی جیسا کہ خدا یتعالےٰ فرماتا ہے یرفع اللہ الّذین اٰمنوا منکم والّذین اوتوا العلم درجات یعنے خدا یتعالےٰ بلند کرتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں تم میں سے اور وہ لوگ جنکو کہ علم دیا گیا ہے **اصل بات یہ ہے** کہ جناب امیر علیہ السلام اصل فطرت میں نہایت زکی الطبع پیدا ہوئے تھے جسکی وجہ سے خدا یتعالےٰ نے اُن کو استعداد علمی اور قابلیت نہایت درجہ کی عطاء کی تھی اور جناب امیر علیہ السّلام نے عنفوان طفولیت بلکہ روز ولادت سے ہی جناب رسالتمآب صلعم کے دامن علم وحکمت میں تربیت پائی تھی۔ سرور کائنات فداہ روحی الحق تعلیم وتربیت میں سعی بلیغ فرماتے رہے۔ اسلئے جناب امیر کو وہ تعلیم حاصل ہوئی کہ جسمیں جملہ عقلاء زمان حیران رہگئے۔ بلکہ علی علم وفضل میں آنحضرت کا معجزہ خیال کیا گیا۔ کہ جس علم کیطرف نگاہ اٹھاکر دیکھا جائے جناب امیر علیہ السّلام کا ہی بنیاد ڈالا ہوا معلوم دیتا ہے۔ یہ مرتبہ علم یقیناً انبیاء سلف کو بھی حاصل نہیں تھا پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ دُنیا میں سب سے زیادہ اعلم کیونکر نہ انسے افضل مانا جائے۔ کیونکہ نبوت تو معیار ہی افضلیت کا نہیں ہے۔ بلکہ معیار تو علم ہے۔ پس رسالتمآب صلعم تو بوجہ استاد ہونیکے علیؑ سے افضل ٹھہرے۔ باقی تمام مخلوقات سے صرف علیؑ ہی افضل ہونے منظور کرو۔ کہ جب علماے ملت حقہ ختمی مآب صلعم انبیاء بنی اسرائیل جیسے فضیلت و مرتبت میں ہیں لقولہ صلعم علماء امّتی کانبیاء بنی اسرائیل تو یہ اوصیاء اور خلفاء راشدین معصومین علیہم السّلام جو روح وبدن مطہر رسالتمآب صلعم کے لب لباب ہیں کیوں نہ انبیاء سلف سے افضل ہونگے۔ فافہم جدًا۔ وھو العالم۔ حائری۔

سوال اگر معیار افضلیت علم ہے اور ایک ہزار باب علم رسالتمآب صلعم نے جناب امیرؑ کو عطاء فرمایا تو حضرت ابوبکر کو پیغمبر صلعم نے اپنے تمام علوم دے ڈالے جیسا کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے ما صبّ اللہ شیئاً فی صدری من علم الا وصببتہ فی صدر ابی بکر یعنے کسی چیز کا علم خدا نے میرے سینہ کے اندر نہیں رکھا مگر یہ کہ میں نے اسکو ابوبکر کے سینہ میں ڈالدیا ہے تو اب علیؑ افضل ہوئے یا ابوبکر۔ **الجواب** یہ روایت دو وجہوں سے متناقض ہے۔ اوّل باتفاق امت ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر نے منبر پر فرمایا ہے اقیلونی ولست بخیرکم مجھے امیر مت بناؤ کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اب اسمیں غور کرو کہ خلیفہ

صاحب کا یہ قول صحیح ہے یا غلط اگر غلط ہے تو منبر رسول صلعم پر صحابہ کی موجودگی میں غلط اور جھوٹ کہنے والا منصب خلافت کیلئے کیونکر مستحق ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہ قول صحیح ہے کہ پیغمبر صلعم نے اپنا علم ابوبکر کے سینہ میں ڈالدیا اور ابوبکر صاحب نے کہا کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں تو اپنے خلاف قرآن کہا۔ کیونکہ قرآن نے اہل علم کو دوسروں سے افضل قرار دیا ہے یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت اور دوسری جگہ فرمایا ہے ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون کہ عالم اور بے علم کسی حالت میں برابر نہیں ہوسکتے۔ پس اگر پیغمبر صلعم نے ابوبکر صاحب کو اپنے علوم دئے ہوتے تو وہ کبھی ایسا نہ کہتے۔ کہ میں تم سے افضل اور بہتر نہیں ہوں اور کھلے لفظوں میں اپنی افضلیت کا اسی طرح اعلان کرتے جسطرح پیغمبر صلعم نے اپنی افضلیت کا اعلان کیا کہ انا سید ولد ادم ولا فخر۔ ورنہ اسپر تو یہ لازم آئیگا کہ پیغمبر صلعم بھی سب سے افضل ہونیکے باوجود کسی سے بھی افضل نہوں ووم اسپر بھی امت کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر نے نزع کی حالت میں فرمایا ہے کہ کئی چیزیں میں نے جناب پیغمبر صلعم سے دریافت نہیں کیں۔ کاش میں دریافت کرلیتا کہ (۱) کلالہ کے کیا معنے ہیں (۲) آیت فاکھۃ وابا کے کیا معنے ہیں (۳) جد کو میراث میں کیا مل سکتا ہے پس یہہ حدیث اگر صحیح ہوتی کہ پیغمبر صلعم کے سینہ میں جسقدر علم تھا وہ ابوبکر صاحب کے سینہ میں ڈالدیا گیا۔ تو پھر ان تین مسئلوں کا بھی ضرور انکو علم ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہہ سب باتیں پیغمبر صلعم کے علم میں موجود تھیں اور اگر ابوبکر صاحب کو معلوم تھا کہ جناب ختمی مآب صلعم کو ان تین مسئلوں کا علم ہے۔ مگر حضور فداہ روحی نے انکو بتلائے نہیں تو علم سینہ ملنے والی روایت لازماً غلط اور فرضی ہے غور کرو کہ حضرت ابوبکر صاحب کے اس اقرار سے کہ میں نے میراث جد کا مسئلہ آنجناب صلعم سے نہ دریافت کیا نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ آپنے زمانۂ امارت میں میراث جد کے متعلق جو بھی حکم دیا اپنی رائے اور قیاس کے موافق دیا ہے نہ حکم خدا و رسول کے موافق کیونکہ خود بقول انکے اس مسئلہ میں حکم خدا و رسول تو انکو معلوم ہی نہ تھا آخر ساٹھ برس کی عمر گذار دینے کے بعد بحالت نزع خلافتمآب کو کلالہ اور اَبّ کے معنے نہ معلوم کرنے پر اظہار افسوس کرنا پڑا۔ ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ عطیہ علم الصدر والی روایت باطل غلط اور موضوع ہے۔ پس کسیطرح معیار افضلیت میں قادح نہیں ہوسکتی ؛ ہو العالم۔ حائری

سوال ایک روایت میں دیکھا گیا ہے کہ جناب پیغمبر صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کو سیدا کہول اھل الجنۃ فرمایا ہے اس روایت کے متعلق جناب کا کیا ارشاد ہے اور اہل سنت کی صحاح میں بھی یہ حدیث وارد ہوئی ہے یا نہیں۔ اسیطرح ارشاد فرمائیں کہ حدیث اصحابی کالنجوم

متفقہ جملہ علماء اہل سنت اور اسناد میں مختلف فیہ ہے یا نہیں - **الجواب** صحاح میں اس روایت کا منقول ہونا تو تب زیر بحث ہوگا جب اسکی صحت ثابت ہو جائے اصل بات یہ ہے کہ یہ روایت موضوعہ گھڑی گئی ہے اس حدیث صحیح متفقہ فریقین کے جواب میں جو حسنین علیہما السلام کے حق میں حضور ختمی رسالت روحی فداہٗ نے فرمایا ہے - الحسن و الحسین سیدا شباب اہل الجنۃ (متفق علیہ) یعنے حسنین سردار ہیں جوانان اہل بہشت کے جو ہر طرح عقلاً و نقلاً صحیح ہے - اسی حدیث صحیح کے مقابلہ میں یہ روایت سیدا کھول اہل الجنۃ ابوبکر اور عمر صاحب کے حق میں پڑھکر سنا دی جاتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کھول جمع کھل ہے بالفتحہ یہ لفظ سن رسیدہ بوڑھے آدمی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے - جب بالاتفاق یہ ثابت ہے کہ بہشت میں سب جوان ہونگے اور سارے بہشت میں ایک بوڑھا بھی نہیں ہوگا - تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں خلافتمآب کونسے بہشت کے بوڑھوں کے سردار اور سید ہونگے - پس اس روایت کو صحیح مان لینے میں دو سقم لازم آتے ہیں **اول** یہ کہ اس روایت منقولہ فریق واحد کے مقابلہ میں سب بہشتیوں کے جوان ہونیکی احادیث کثیرہ متفقہ فریقین کو باطل قرار دینا پڑیگا **دوم** یہ کہ اگر بالفرض بہشت میں بوڑھوں کا ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر دونوں خلافتمآب صرف بوڑھوں کے ہی سردار قرار پائینگے - جوانوں اور بچوں کے نہیں - اگر وہ جملہ خلائق کے خلیفہ اور امام ہوتے تو چاہیئے تھا کہ سردار اور سید بھی تمام لوگوں کے ہوتے - صرف بوڑھوں پر سرداری مل جانیسے کونسا فخر حاصل ہو سکتا ہے - عقلمند تو کوئی بھی اس روایت کو انکی فضیلت کا باعث نہیں سمجھ سکتا - کیونکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں خلافتمآب بچوں اور جوانوں کے تو امام اور خلیفہ تھے نہ انکے سید اور سردار قرار پائے - فرمائیے پھر اس روایت سے انکی کیا فضیلت ثابت ہوئی - اگر غور کیا جائے تو دونوں خلافتمآب کیلئے یہ روایت کسر شان کا باعث ہوتی ہے - حالانکہ منصب خلافت کا اقتضاء تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ پیغمبر انکو جملہ خلائق صغیر و کبیر - برنا و پیر کا سید و سردار قرار دیتے - نہ صرف بوڑھوں کی سرداری کیلئے انکو منتخب فرما لیتے - اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سے دنیاء کا بہشت مراد ہے جسمیں بوڑھے بھی ہیں جوان بھی ہیں اور بچے بھی تو ہم اسکو بھی فضیلت و فخر کا باعث نہیں سمجھ سکتے کیونکہ دنیاء کا بہشت تو ہر مومن کیلئے سجن اور کافر کیلئے جنت ہے جسکو کوئی دوست بھی دونوں خلافتمآب کے شایان شان نہیں سمجھ سکتا - ان وجوہ کے لحاظ سے اب آپ ہی فرمائیے کہ یہ روایت کس طرح صحیح تسلیم کیجا سکتی ہے - **رہی** یہ روایت اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم یہ روایت بھی مقابل میں گھڑی گئی ہے اس حدیث

کے جو حضور ختمی رسالت روحی فداہ نے ارشاد فرمایا ہے انت الھادی یا علی بك یھتدی المھتدون بعدی۔ اصل بات یہ ہے کہ آیت مجیدہ انما انت منذر و لکل قوم ھاد جب نازل ہوئی ہے تو جناب ختمی مآب صلعم نے اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھکر ارشاد فرمایا انا المنذر اور جناب امیرؑ کے شانے پر ہاتھ رکھکر فرمایا انت الھادی یا علی بك یھتدی المھتدون بعدی یعنے اے علیؑ ہادی تم ہو بعد میرے لوگ تم سے ہدایت پائینگے اخرجہ میر زبانی فی مناقبہ۔ وابن مردویہ فی مناقبہ والثعلبی فی تفسیرہ۔ والحسکانی فی شواھد التنزیل پس یہ حدیث انت الھادی یا علی الخ مسلم اور متفق فریقین ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں جو روایت اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم بڑھکر سنائی جاتی ہے اہل سنت کے ہاں بھی صحیح اور مستند نہیں ہے۔ دیکھو شارح کتاب شفاء **قاضی عیاض** نے بھی اسکے متعلق لکھا ہے کہ حدیث اصحابی کالنجوم الخ مشہور تو ہے مگر اسکی اسناد راوی تمام ضعیف اور مطعون ہیں۔ کیونکہ اسکی راوی۔ بعض تو مجہول الحال ہیں اور بعض متہم بکذب ہیں اسلئے اسکی کوئی سند بھی ثابت نہیں ہے۔ اور **ابن حزم** نے تو بالجزم لکھا ہے کہ حدیث اصحابی کالنجوم کذب موضوع اور باطل ہے۔ مزید برایں ہم یہ کہینگے کہ باتفاق فریقین ایک جماعت صحابہ کی ناکثین۔ قاسطین اور مارقین کی تھی جنکا اقتدا کرنا بلا خلاف باطل ہے۔ اسیطرح صحابہ کی ایک جماعت نے خلافتمآب عثمان کے قتل پر اتفاق کرلیا تھا فرمائیے انکا اقتدا بھی ہدایت و ثواب کا باعث تھا یا معصیت و عتاب کا۔ پھر کل صحابہ کی نسبت یہ حکم لگا دینا کہ بایھم اقتدیتم اھتدیتم کیونکر معقول اور صحیح ہوسکتا ہے۔ وھو العالم۔ حائری۔

سوال۔ حسب ذیل تین حدیثوں کے متعلق حضور سے تسلی کرانا چاہتا ہوں حدیث **نمبر ۱** پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جب وحی کے آنے میں تاخیر ہوئی ہے مجھے خیال کیا کہ عمر پر نازل ہوئی ہوگی۔ حدیث **نمبر ۲**۔ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ اگر میں پیغمبر نہ ہوتا تو عمر بن خطاب مبعوث برسالت ہوتے۔ حدیث **نمبر ۳**۔ قال النبی صلعم ما نفع لی مال مثل مال ابی بکر ارشاد فرمائیں یہ تینوں حدیثیں صحیح قابل تسلیم ہیں یا نہیں۔

الجواب۔ حدیث نمبر ۱ و ۲۔ کے متعلق تو یہ گذارش ہے کہ اگر انکو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئیگا کہ جناب رسالتمآب صلعم نے قرآن مجید کی معاذ اللہ مخالفت کی ہو کیونکہ خدا تعالے ارشاد فرماتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین کیونکر جائز ہو سکتا ہے جس سے کہ نبوت اور رسالت کا میثاق لے لیا گیا ہو وہ معزول کیا جاسکے۔ اور

جس سے کہ میثاق نہیں لیا گیا۔ اسکے لئے وحی کے آنے اور رسالت دیئے جانے کا پیغمبر صلعم خیال اور احتمال فرمائیں۔ مزید برایں یہ بھی لازم آئیگا کہ اس صورت میں پیغمبر صلعم کو اپنی نبوت اور رسالت کا یقین حاصل نہ ہو۔ بلکہ معاذ اللہ شک رکھتا ہو کیونکہ زیر بحث دونوں روایتوں سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شب ایسی نہیں گذری کہ وحی نازل ہونے پر رسالت مآب صلعم کے خاطر مبارک میں یہ نہ گذرا ہو کہ کل وحی عمر خطاب پر نازل ہوگی۔ پس ان حدیثوں کی صحت کی بناء پر تو یہ لازم آتا ہے کہ جناب ختمی مآب صلعم دم بدم اپنے معزول ہونے کے منتظر رہتے ہوں۔ یہ علامت جہل ہے۔ اور جاہل رسول نہیں ہو سکتا لقولہ تعالےٰ ولقد اخترناھم علی علم العالمین۔ فما ھذا الا بھتان عظیم۔ اب حدیث نمبر ۱۳۔ کی موضوعیت بھی سن لیں ما نفعنی مال مثل مال ابی بکر یعنے پیغمبر نے فرمایا کہ کسی مال نے مجھے فائدہ نہیں دیا ابوبکر کے مال کی طرح کہ اسنے پیغمبر صلعم کو اپنی لڑکی دی اور چالیس ہزار دینار بھی ہمراہ دیئے۔ اس روایت میں لڑکی دینا ابوبکر صاحب کا تو مسلّم مگر چالیس ہزار دینار ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں اور کس مہم پر صرف کرنیکے لئے خلافت مآب نے عنایت فرمائے۔ وہ دینار اگر کسی مہم پر خرچ ہوئے ہوتے تو سب کو معلوم ہوتا۔ تواریخ میں اسکا مفصل ذکر موجود ہوتا۔ کیونکہ جناب ختمی مآب صلعم یا مکہ میں تھے یا مدینہ میں۔ اگر کہا جاوے کہ حضور صلعم نے مکہ میں قبل از ہجرت یہ مال صرف کر دیا تو دو صورتوں سے خارج نہیں ہو سکتا یا قبل از اسلام یا بعد از اسلام پہلی صورت میں تو محال ہے کہ خلافت مآب قبل از اسلام پیغمبر صلعم کیلئے اسقدر مال صرف کر ڈالتے اسکے علاوہ پیغمبر صلعم اس زمانہ میں عیال جناب ابوطالب علیہ السلام تھے۔ کہ حاتم طائی بھی جنکے مقابل میں محتاج تھے۔ اور اگر بعد اسلام یہ مال نفقہ کیا گیا ہے تو وہ بھی قابل تسلیم نہیں ہے اسلئے کہ مورخین نے لکھا ہے کہ ۲۵ برس کی عمر میں جناب پیغمبر صلعم نے خدیجۃ الکبریٰ سے تزویج کی انکا مالدار ہونا کسی پر پوشیدہ نہیں۔ جنکے باورچیخانے کے چالیس ہاون طلائی ہوں انکی ثروت اور دولت سے کون انکار کر سکتا ہے جب جناب رسالتمآب صلعم کی عمر کے چالیس سال تمام ہوئے تو آنجناب پر وحی نازل ہوئی اور ابوبکر صاحب بعثت کے چھٹے سال میں اسلام لائے۔ ابوبکر کے اسلام لانے کے بعد سات برس تک پیغمبر صلعم مکہ میں رہے۔ اس تمام عرصہ کے اندر پیغمبر صلعم نے کسی جگہ بھی فوج کشی نہیں کی جس کیلئے مال کی ضرورت ہوتی مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ ابوطالب اور خدیجہ سال ہجرت تک زندہ رہے۔ خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے تین روز

روایت ما نفعنی مال مثل مال ابی بکر موضوع ہے

یا تینتیس روز بعد ابوطالب کا انتقال ہوا۔ خدیجہ کی وفات پر انکا مال پیغمبرؐ کی طرف منتقل ہوا۔ پھر دو برس کے وہ کیونکر محتاج ہوئے۔ **مورخین** نے خلافتمآب کی ثروت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے کہ ابو قحافہ۔ عبد اللہ بن جدعان کا مزدور تھا۔ انکے ہاں جو کچھ کھانا بچا رہتا ابو قحافہ اپنے لئے لیجاتا۔ اور اسپر اوقات بسر کرتا۔ ایسی صورت میں ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ وہ اگر صاحب ثروت و دولت ہوتے۔ تو صرف طعام پر مزدوری کر کے بسر اوقات نکرتے کما قیل ؎ والی قحافہ لہ داع مستعمل۔ واخ فوق دار بہ ساری ؎ الی مرد من البشری عیشہا ؎ لباب الثرمل بالشہادی۔ اب خود ہی آپ غور فرمائیں کہ جس کا یہ حال ہو وہ کہاں سے مال لائیگا جس میں سے چالیس ہزار دینار کسی کو دیسکے۔ یہ تو سکونت مکہ معظمہ کی حالت تھی۔ اب مدینہ منورہ کا حال انکا بھی سُن لیجئے۔ کہ مورخین اور اصحاب سیر نے لکھا ہے۔ کہ خلافتمآب ابوبکر صاحب اور جملہ صحابہ جب مدینہ میں پہنچے تو مال و مسکن کیلئے وہ انصار کی معاونت کے محتاج تھے۔ جب حضور ختمی رسالت فداہ روحی کو فتوح اور غنائم حاصل ہوئے تو تمام اصحاب میں قسمت کیگئی۔ لکھا ہے کہ اوائل ہجرت میں ایک روز حضرت ابوبکر اور عمر اور باقی مہاجرین نے پیغمبر صلعم سے عرض کیا کہ تین روز سے ہمنے طعام نہیں کھایا ہے۔ جو شخص کہ ناداری کیوجہ سے تین روز تک فاقہ سے رہا ہو۔ وہ کیونکر چالیس ہزار دینار طلاء کسی کو دیسکتا ہے۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ جب آیت صدقہ یا ایہا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقہ نازل ہوئی اسوقت تمام مہاجر اور انصار موجود تھے کسی نے سوا علی مرتضےٰؑ کے نہ صدقہ دیا نہ رسولخدا سے بات کی۔ حضرت ابوبکر وہاں موجود تھے۔ اگر ایسے ہی مالدار سخی تھے۔ تو دو چار دینار دیکر کیوں نہ پیغمبرؐ سے دو چار باتیں کر لیں۔ بس جو شخص کہ آیت کریمہ کے نزول پر ایک دینار یا درہم تک خرچ کرنیکی توفیق نہیں رکھتا۔ اسکے چالیس ہزار دینار طلاء خرچ مصرف رسول صلعم کر دینے کو۔ کون عقلمند تسلیم کر سکتا ہے۔ ان وجوہ وجہ کی بناء پر کوئی دانشمند اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا ورنہ پھر تمام مذکورہ تاریخی واقعات اور احادیث سے انکار کرنا پڑیگا فافہم وتدبر جداً۔ حائری

سوال صحاح اہل سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام نے معاذ اللہ تین مرتبہ کذب بیانی سے کام لیا ہے **اول** بتوں کی نسبت فرمایا ہے بل فعلہ کبیرھم کہ اس بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا ہے، **دوم** جب کہ نجوم میں آپنے نظر کی ہے

تو فرمایا انّی سقیم میں علیل ہوں **سوم** اپنی زوجہ سارہ کی نسبت فرمایا ہے ھٰذہ اختی کہ یہ (سارہ) میری بہن ہے۔ یہ تینوں باتیں واقعات کے خلاف ہیں ایک معصوم اور اولو العزم پیغمبر علیہ السلام سے خلافِ عصمت جھوٹ بولنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ **الجواب** ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام لاریب معصوم اور اولو العزم انبیاء میں سے تھے۔ انبیاء جملہ گناہان کبیرہ صغیرہ عمداً سہواً سے مبرّا و منزہ تھے۔ روایت ماکذب ابراھیم الاثلث کذباتٍ روایت موضوعہ ہے۔ مندرجہ سوال میں تینوں باتیں ضرور واقع ہوئی ہیں جیسا کہ اسی سوال میں مذکور ہیں مگر لوگوں کو انکے معنے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ اصل میں یہ تینوں آیتیں متشابہات سے ہیں لا یعلم تاویلہ الا اللّٰہ والرّاسخون فی العلم اور راسخ فی العلم وہی لوگ ہیں قرآن جنکے گھر میں نازل ہوا ہے انمیں سے امام صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے کہ فرمایا قال ابراھیم انکانوا ینطقون فکبیرھم فعل وان لم ینطقوا فلم یفعل کبیرھم شیئاً فما نطقوا شیئاً وما کذب ابراھیم (عیون الاخبار) یعنے خلیل اللہ علیہ السلام نے بڑے بت کی بت شکنی کو بتوں کے کلام کرنے پر منحصر کیا ہے۔ یعنے یہ بت اگر باتیں کر سکتے ہیں۔ تو پھر انمیں سے جو بڑا بت ہے اسنے ان بتوں کو توڑا ہے۔ اور اگر وہ باتیں نہیں کر سکتے تو یہ فعل بھی اسکا نہیں فرمائیے اسمیں جھوٹ کونسی بات ہوئی۔ اپنی غلط فہمی سے خواہ مخواہ ایک اولو العزم پیغمبر کو جھوٹ بولنے کی تہمت لگا دینی یقیناً دیانت کے خلاف ہے۔ محققین مفسرین نے بھی اسی حدیث کی بنا پر یہ وجہ لکھی ہے۔ ان فی الکلام تقدیماً و تاخیراً والتقدیر بل فعلہ کبیرھم ھذا انکانوا ینطقون فاسئلوھم فیکون اضافۃ الفعل الی کبیرھم مشروطا بکونھم ناطقین فلما لم ینطقوا امتنع ان یکونوا فاعلین یعنی اس آیت کے الفاظ میں تقدیم اور تاخیر ہے پس معنے یوں ہونگے کہ انکے بڑے بت نے انکو توڑا ہے اگر یہ کلام کر سکتے ہیں۔ انسے دریافت کر لو۔ اس فعل کی اضافت بڑے بت کیطرف انکے کلام کرنے پر مشروط کیگئی ہے۔ پس یہ بت جبکہ بات ہی نہیں کر سکتے تو انکا فاعل ہونا بھی ممنوع ہوا۔ اس دلیل سے بصراحت ثابت ہوا کہ جناب خلیل اللہ کا قول صداقت پر مبنی ہے۔ قائلین کذب کی خود اپنی یہ غلط فہمی ہے۔ **اب سُنئے**۔ کذب دوم کے متعلق کیا غلط فہمی واقع ہوئی آیت ہے فنظر نظرۃً فی النجوم فقال انّی سقیم۔ منشاء اعتراض یہ ہے کہ نظر فی النجوم حرام ہے خلیل اللہ کیوں اسکے مرتکب ہوئے۔ اور پھر باوجود صحیح الجسم

جھوٹ کے خلاف واقع اپنا علیل ہونا کیوں انہوں نے بیان کیا۔ **اسکے جواب** میں ہم متعدد وجوہ بیان کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ جناب خلیل نے جب نجوم میں نظر کی تو وہ ستارہ دیکھا جسکے ظہور پر انکو تپ نوبت آتا اسلئے آپنے انی سقیم کہا۔ کیونکہ قطعا ہونے والی چیز کو ہوگئی کہہ دینا کذب نہیں ہے۔ خدا یتعالے نے بھی فرمایا ہے انک میت وانہم میتون۔ یعنے تم مردہ ہو اور وہ مردہ ہیں یعنے مرجائینگے۔ **دوم** ان اللہ اعلمہ بالوحی انہ سیسقم فی وقت مستقبل وجعل ذلک العلامۃ اما طلوع نجم علی وجہ مخصوص او اتصال باخر علی وجہ مخصوص فلما رای ابراہیم تلک الامارۃ قال انی سقیم تصدیقا بما اخبرہ اللہ تعالے یعنے خدا نے خلیل کو وحی کے ذریعہ اعلام کردیا تھا کہ تم عنقریب بیمار ہوگے۔ اور اس بیماری کے آنیکی علامت یہی اس ستارہ کا خاص صورت میں طلوع کرنا تھا۔ یا خاص صورت میں دوسرے ستارے سے اسکا متصل ہونا ہی بیماری کے آنیکی علامت تھی خلیل اللہ نے اس علامت کو دیکھتے ہی خدا کے اطلاع دہی علامت کی تصدیق میں کہدیا کہ میں بیمار رہوں۔

وجہ سوم۔ انی سقیم سے یہ مراد ہے کہ انی سقیم القلب والرای حزنا من اصرار القوم علی عبادۃ الاصنام وھی لا تسمع ولا تبصر ویکون معنے نظرۃ فی فکرۃ فی انہا مخلوقۃ محدثۃ مدبرۃ وتعجبہ کیف ذھب علی العقلاء ذلک من حالہا حتے عبدوھا خلاصہ یہ کہ میں سقیم القلب یا سقیم الرای ہوں۔ بتوں کی پرستش کرنے پر قوم کے اصرار کرنے سے۔ کیونکہ (یہ بت) نہ تو سن سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اسلئے میں مغموم اور محزون ہوں اور محزون ومغموم سقیم ہوا کرتا ہے۔ ان کو تعجب تھا کہ انکا مخلوق ومحدث اور مدبر ہونا ان عقلمندوں پر کیونکر پوشیدہ رہا۔ **کافی** میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اسی کی تائید میں ارشاد فرمایا واللہ ما کان سقیما وما کذب خدا کی قسم کہ خلیل اللہ نہ تو سقیم تھا اور نہ اسنے جھوٹ بولا۔

وجہ چہارم ان قوم ابراہیم کانوا اصحاب النجوم یعظمونہا ویقضون بہا علی غائب الامور فلذلک نظر ابراہیم فی النجوم ای فی علم النجوم وفی معاطاتہم لا انہ نظر بعینہ الیہا وھو کما یقال فلان نظر فی الفقہ وفی النجوم وانما اراد ان یوھمہم انہ یعلم ما یعلمون ویتعرف من حیث یتعرفون حتے اذا قال انی سقیم سکتوا یعنے جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی قوم کو علم نجوم میں مہارت تامہ حاصل تھی اسی پر جملہ امور کا مدار سمجھے ہوئے تھے۔ اور امور غیب کی خبریں دیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر جناب ابراہیم علیہ السلام نے علم نجوم میں ایک نظر ڈالی اور غور فرمایا اور کہدیا

کہ میں سقیم ہوں اسوقت قوم نے یہ سمجھ لیا کہ جس طرح علم نجوم سے ہم خبر دیا کرتے ہیں
ابراہیم نے بھی ایک قطعاً ہونے والے واقعہ سے اطلاع دی ہے جسکا وقوع پذیر ہونا لازمی
ہے۔ یہ علت سقم ایسی ہے کہ خلیل اللہ سے سجدہ اصنام کرانے میں ہمیں کامیاب نہیں
ہونے دیگی **فخر رازی** نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے انا لا نسلم ان النظر فی علم
النجوم والاستدلال بمقایسہا حرام لان من اعتقد ان اللہ تعالیٰ خص
کل واحد من ھذہ الکواکب باثر وخاصیۃ لاجلہا یظہر منہ اثر مخصوص
فہذا العلم علی ھذا الوجہ لیس بباطل واما الکذب فغیر لازم لانہ
ذکر قولہ انی سقیم علی سبیل التعریض بمعنے ان الانسان لا ینفک فی اکثر
احوالہ عن حصول حالۃ مکروھۃ اما فی بدنہ واما فی قلبہ وکل ذلک سقیم۔
یعنے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ علم نجوم میں نظر کرنا اور اسمیں استدلال کرنا اور اسکی استدلال
کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ اعتقاد کرنا کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک ستارہ کو ایک خاص اثر اور
خاصیت سے چونکہ مخصوص کر دیا ہے اسلیئے اس سے خاص اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے اسوجہ پر علم
نجوم باطل نہیں ہے۔ رہا کذب وہ بھی کسی طرح لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جناب خلیل اللہ کا یہ
فرمانا کہ انی سقیم تعریض کے طور پر تھا یعنے کہ عام طور سے انسان کسی نہ کسی سقیم
اور مکروہ حالت میں مبتلا رہتا ہے خواہ وہ بدنی سقم ہو یا قلبی۔ پھر اسمیں جھوٹ کیا ہوا
رہا کذب سوم۔ جسکا منشاء اعتراض یہ ہے کہ جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی
زوجہ سارہ کو ھذہ اختی یہ میری بہن ہے کیوں خلاف واقع کہا۔ سو اسکا جواب
یہ ہے کہ عورت باوجود زوجیت کے بھی اخوت فی الدین سے خارج نہیں ہوا کرتی۔
حضرت کا مطلب بھی اختی فی الدین تہا پھر خلاف واقع اور کذب کیونکر ہوا۔
انبیاء علیہم السلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں کبھی کوئی فعل یا قول انسے ایسا سرزد ہی
نہیں ہوتا جو مخالف عصمت ہو۔ لوگ غلط فہمی سے ناجائز خلاف عصمت الزام خدا
کے ان برگزیدہ بندوں پر لگا دیتے ہیں۔ فانہم قد ضلوا واضلوا سحا ثریٰ
سوال۔ اہل سنت کے ہاں یہ روایت فضائل میں بیان کیگئی ہے کہ جناب پیغمبر صلعم نے
ارشاد فرمایا الحق ینطق علی لسان عمر یعنے حق کلام کرتا ہے عمر کی زبان سے۔ اس
روایت کی صحت کے متعلق حضور کی کیا رائے ہے۔ **الجواب**۔ اگر اس روایت کو مسلم
صحیح مان لیا جائے تو لازم آئیگا کہ خلافت مآب عمر کا یہ کہنا کہ ما شککت فی نبوتک
کشکی یومی ھذا (متفق علیہ) یعنے جیسا آج یعنے یا محمد صلعم آپکی نبوت میں شک کیا ہے
اس سے پیشتر کبھی ایسا شک نہیں کیا بھی کلام حق ہو۔ دراصل اس شک کا ماخذ

کیا تھا۔ اسکو محدثین نے حسب ذیل لکھا ہے۔ کہ بروز حدیبیہ جناب ختمی رسالت مآب روحی لہ الفداہ نے جب اہل مکہ سے صلح کرنی چاہی تو خلافتمآب عمر بہت خفا ہو کر جناب رسالتمآب صلعم سے کہنے لگے یہی وہ وعدہ ہے جو آپنے دخول مکہ کے متعلق ہم سے کیا تھا۔ اور اس روز اس آیت کو پڑھکر سناتے رہے جو رسول خدا صلعم نے کہا تھا۔ کہ جبرئیل وحی لیکر آیا لقد صدق اللہ رسولہ الرویاء بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ جناب رسالتمآب صلعم نے جبکہ خلافتمآب کی اس قدر جرأت اعتراض کرنے کی ملاحظہ فرمائی۔ تو ارشاد کیا۔ یعنے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال ہم مکہ معظمہ میں داخل ہو جائینگے۔ پھر جب آئندہ سال مکہ فتح ہوا تو پیغمبر صلعم دروازہ سقایت حاج پر کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کہ عمر خطاب کہاں ہیں۔ انکو بلایا گیا۔ پس حضور صلعم نے ارشاد فرمایا یا ابن الخطاب بتاؤ اب مسجد الحرام میں ہم داخل ہوئے یا نہیں۔ اسوقت خلافتمآب عمر نے جب غیظ و غضب کے آثار چہرۂ مبارک پیغمبر صلعم میں مشاہدہ کئے تو کہا امنت باللہ ربنا وبالاسلام دینا وبالقرآن کتابا وبمحمد نبیا۔ پس اگر روایت مذکورہ الحق ینطق علی لسان عمر صحیح ہوتی۔ تو خلافتمآب عمر جناب پیغمبر صلعم کے حق میں کبھی یہ خلاف حق کلمہ زبان سے نہ نکالتے کہ "جیسا مینے آج تیری نبوت میں شک کیا ہے اس سے پیشتر کبھی نہیں کیا"۔ اسکے خلاف حق ہونے پر انکا پشیمان ہونا اور آمنت باللہ کہنا ہی دلیل ہے کہ مذکورہ روایت موضوع ہے۔ ورنہ پھر یہ اظہار شک فی النبوت ہونا زبان عمر سے بھی نطق بالحق تھا یا نہیں بصورت اول۔ خلیفہ صاحب کا اس نطق بالحق پر پشیمان ہونا بقولہ امنت باللہ ربنا الخ غلط ہوتا ہے۔ اور بصورت ثانیہ روایت الحق ینطق الخ موضوع ہے۔ اور قابل تسلیم نہیں ہے۔۔ ھو العالم۔ حائری

سوال۔ حدیث عشرہ مبشرہ بالجنۃ کے بطلان اور موضوعیت کی کیا وجہ ہے مفصل ارشاد فرمائیں۔

الجواب۔ اس روایت کی موضوعیت کے مختلف وجوہ ہیں اول جنگ جمل میں جب صف کھڑی ہوئی تو قلب لشکر سے زبیر آگے آکر کہنے لگا حضور ختمی رسالت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دس نفر میرے اصحاب میں سے اہل بہشت ہیں میں بھی ان اہل بہشت میں سے ہوں۔ پس اے علی کیا تم مجھ سے جنگ کروگے۔ جناب ولایتمآب علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اے زبیر بتاؤ وہ دس نفر کون ہیں۔ کہا وہ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعید۔ عبد الرحمن بن عوف۔ ابو عبیدہ جراح ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا یہ تو نو نفر ہوئے

روایت الحق ینطق علی لسان عمر موضوع ہے

دسواں کون ہے۔ مجبوراً اسکو یہ کہنا پڑا کہ دسواں علی امیرالمومنین ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ علی اہل بہشت سے ہے۔ زبیر نے کہا بہ شک جیسے سُنا ہے اسوقت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں بحضور خدا کہ میں نے پیغمبر صلعم سے سنا ہے کہ تم اہل بہشت میں سے نہیں ہو۔

دوم خلافتمآب عمر۔ حذیفہ یمانی سے پوچھا کرتے وکان یسال حذیفہ ویقول لہ انت صاحب سرّ رسول اللہ صلعم فی المنافقین فھل تریٰ علیّ شیئاً من اثار النفاق۔ دیکھو احیاء العلوم غزالی جلد ۳ ص ۳۷ مطبوعہ نولکشور خلافتمآب اپنے نفاق کے متعلق کیوں حذیفہ سے سوال کرتے۔ اگر وہ روایت عشرہ مبشرہ کو صحیح سمجھتے۔ کیونکہ جو شخص صاحب الوحی (پیغمبر صلعم) کی زبان سے بشر بالجنۃ قرار پا چکا ہو اس کو وہم اور خیال بھی تو اپنے نفاق کا پیدا نہ ہونا چاہیئے +

سوم طلحہ اور زبیر نے علی علیہ السلام سے مصاف کیا انکا یہی قصد تھا کہ خصم پر غلبہ اور قہر حاصل کریں جس سے لازم آتا ہے کہ انکے نزدیک بشر بالجنۃ کو قتل کر دینا جائز تھا اور اہل بہشت و دوزخ انکی نظروں میں فرق نہ رکھتے تھے۔

چہارم اس حدیث کا راوی سعید بن زید ہے۔ اور وہ خود بھی ان دس میں سے ہے۔ چونکہ وہ معصوم نہیں ہے اس لئے اس کا قول بغیر بینہ کے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ان وجوہ سے ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اور نہ غیر معصوم کا قول بغیر بیّنہ کے حجت قرار پا سکتا ہے۔ وھو العالم۔

از کوچہ شیعیان موچی دروازہ لاہور۔ سنہ ۱۳۳۸ ہجری

نمقہ خادم الشّریعۃ المطہرۃ

علیّ الحائری

تفسیر لوامع التنزیل ۳۰ جلد

مصنفہ صدر المفسرین حجۃ الاسلام والمسلمین سرکار شریعتمدار علامہ **السید علی الحائری** مجتہد پنجاب لاہور وہ تفسیر ہے۔ کہ جسمیں حقیت و حقیقت قرآن و اسلام براہین عقلیہ نقلیہ سے واضح کی گئی ہے۔ یہ تفسیر کیا ہے۔ ایک بحر ذخار ہے۔ اسکے ہوتے ہوئے کسی اور تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسکی توصیف و تعریف میں یہی بس ہے۔ کہ اکابر مجتہدین عراق عرب و عجم اسکے جامع العلوم ہونے میں رطب اللسان ہیں یہ تفسیر جلہ نکات تفسیریہ پر بکلی حاوی ہے اس تفسیر نے مخالفین اسلام کی رگ حیات کو ایسے تیز حربہ سے کاٹ ڈالا ہے۔ کہ قیامت تک اب انمیں ہنگامہ آرائی کی جرأت پیدا ہی نہ ہوسکیگی۔ جملہ اعتراضوں کے جوابات محققانہ اور فلسفیانہ رنگ میں دئیے گئے ہیں۔ اب تک ۲۰ جلدیں اس تفسیر کی تیار ہوچکی ہیں جن میں سے مطبوعہ جلدیں نمبر ۲ – ۳ – ۷ – ۸ – ۹ – ۱۳ – ۱۴ – ۱۵ – ۱۶ – دفتر میں موجود ہیں۔ علاوہ محصول پر درخواست کرنیسے روانہ ہوسکتی ہیں۔

پنجاب شیعہ مشن لاہور۔ اسلام کے شیدائیو! کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ فرقہ شیعہ تبلیغ اسلام کے فرض کیطرف سے بالکل غافل ہورہا ہے اور اس لئے شاید یہ خیال بھی مومنین کے دلوں سے اٹھ گیا ہے کہ مذہب حق کے اندر کیسی طاقت اور کیسا جذبہ ہے۔ قرآن سے بیگانہ اور ناآشنا ہوکر اسلام کی خوبیوں کا دل میں کیا خیال باقی رہسکتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں **پنجاب شیعہ مشن لاہور** نے اس قلیل عرصہ کے اندر اشاعت و حمایت اور حفاظت مذہب حق میں جس قدر غیر معمولی اور نمایاں کامیابی حاصل کی ہے وہ شیعوں کی آئندہ ترقی کیلئے بہت کچھ امید افزا ہے۔ رسالہ النظر۔ کشف العلت۔ التحقیق۔ الذبیح اور سالانہ تقویمیں ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کئے اب **فتاوے حائری** کی چار جلدیں یعنے نمبر ۵ – ۶ – ۷ – ۸ ہر جلد ایک ایک ہزار کی تعداد میں شائع کی ہے ان کے بعد **فلسفۃ الاسلام** جیسی معرکۃ الارا کتاب کی طباعت (کافی روپے نہونے کیوجہ سے) ملتوی ہے مومنین کو خصوصیت کے ساتھ شیعہ مشن کے سرمایہ میں معتدبہ رقوم سے امداد کرنی چاہئے۔ تاکہ یہ معرکۃ الارا و بسیط کتاب بھی جلد طبع ہوکر گمراہوں کی ہدایت کا باعث ہو و اجرکم علی اللہ تعالےٰ۔

راقم سید ابو الفضل رضوی القمی کوچہ شیعیان موچی دروازہ لاہور

شہر دہلی سے طلب کریں۔